اس شمارے میں ، انقلاب ایران،
اور 'التزام جماعت اور لزوم بیعت'
پر ڈاکٹر اسرار احمد کے اہم خطابات

وقد أخذ ميثاقكم إن كنتم مؤمنين

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

مرکزی مکتبہ تنظیم اسلامی

۳۶ - کے ماڈل ٹاؤن ——— لاہور

پنجاب بیوریجز کمپنی لمیٹڈ۔ فیصل آباد۔ فون: ۲۶۰۳۱ / ۲۳۹۳۱

لاہور
ماہنامہ
میثاق

جلد ۳۴ | اپریل ۱۹۸۵ء مطابق رجب المرجب ۱۴۰۵ھ | شمارہ ۴

ادارۂ تحریر
شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید

سالانہ زرِ تعاون
۳۰ روپے
قیمت فی شمارہ
۳ روپے

ناشر
ڈاکٹر اسرار احمد
طابع
چودھری رشید احمد
مطبع
مکتبہ جدید شارع فاطمہ جناح لاہور

مکتبہ تنظیم اسلامی
فون : ۸۵۲۶۱۱
سب آفس : ۱۱ داؤد منزل
نزد آرام باغ، شاہراہ لیاقت کراچی
کراچی فون برائے رابطہ
۲۱۴۷۰۹

مشمولات

عرض احوال ——— ۳
جمیل الرحمٰن
شذرات ——— ۵
ڈاکٹر اسرار احمد
التزام جماعت اور لزوم بیعت ۱۹
ڈاکٹر اسرار احمد
کیا ایرانی انقلاب اسلامی انقلاب ہے ——— ۶۵
ڈاکٹر اسرار احمد
مکتوب مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلوی ۹۳
افکار و آراء ——— ۹۷
(۱) محمد شہاب الدین کریمی
(۲) خسروی صاحب
(۳) سید مظہر علی ادیب

عَن انسؓ عَن النبیّ صَلّی اللہ علیہ وسلّم

قَالَ

لَا یُؤمِنُ اَحَدُکُمْ

حَتّی یُحِبّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ

(رواہ البخاری)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، تم میں سے ایک شخص اس وقت تک (کامل) مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہ چیز پسند نہ کرے جسے وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

رشید جیولری ہاؤس لاہور

ٹمپل روڈ — سوہا بازار

۳۱۱۴۰ — ۳۰۴۳۳۳ — ۶۴۴۳۳ — ۵۶۴۷۹

پروپرائیٹر: اے وحید

جمیل الرحمٰن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ احوال

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ط

ہماری بھرپور کوشش ہے کہ ماہ رجب المرجب ۱۴۰۵ھ مطابق ماہ اپریل ۱۹۸۵ء کا شمارہ مارچ کے آخری عشرے میں کتابت و طباعت کے جملہ مراحل سے گذر کر تنظیم اسلامی کے دسویں سالانہ اجتماع اور مرکزی انجمن خدام القرآن کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے ساتویں سالانہ محاضرات قرآنی کے دوران منصۂ شہود پر آجائے۔ السعی منا والاتمام من اللہ

مرکزی انجمن خدام القرآن کے امسال کے محاضرات اس اعتبار سے خصوصی اہمیت کے حامل ہیں کہ اس میں ملک کے بعض جید علماء کرام محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب مدظلہ کے پیش کردہ فرائض کے اُس جامع تصور پر اظہار خیال فرمائیں گے جو محترم ڈاکٹر صاحب نے کتاب و سنت اور سیرت مطہرہ کے معروف مطالعے سے اخذ کیا ہے اور جس کی دعوت و تبلیغ کے لئے انہوں نے اپنی زندگی وقف کر رکھی ہے۔ واضح رہے کہ فرائض دینی کے جامع تصور کا خلاصہ مارچ کے میثاق میں شائع کیا جا چکا ہے ـــــ جو علماء کرام مقالے پیش فرمائیں گے وہ تو ان شاء اللہ ایک ترتیب کے ساتھ شائع ہونگے ہی اللہ کی نصرت شامل حال رہی تو تقاریر کو بھی کیسٹوں سے نقل کر کے شامل اشاعت کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ نیز تائیدی مقالوں کے ساتھ ساتھ تنقیدی مضامین کو بھی شائع کیا جائیگا۔

زیر نظر شمارے میں امیر تنظیم اسلامی کے تین اہم خطاب شائع کئے جا رہے ہیں۔ ان میں سے ایک "شذرات" کے زیر عنوان ہے جو دراصل محترم ڈاکٹر صاحب کے ایک حالیہ خطاب جمعہ سے ماخوذ ہے جس میں موصوف نے حالات حاضرہ پر تبصرہ فرمایا ہے۔ دوسرے خطاب کا عنوان ہے "کیا ایرانی انقلاب ایک اسلامی انقلاب ہے؟" ہمیں افسوس ہے کہ صفحات کی تنگی کے باعث اسے مکمل شائع نہیں کیا جا رہا۔ ان شاء اللہ آئندہ شمارے میں یہ مضمون تکمیل کو پہنچ جائیگا۔ تیسرا خطاب "اسلامی انقلاب کے لئے التزام جماعت اور لزوم بیعت" اس اعتبار سے بہت اہم ہے کہ یہ درحقیقت محترم ڈاکٹر صاحب کے خطاب "جہاد بالقرآن" کا تتمہ و تکملہ ہے۔ مناسب ہوگا کہ قارئین اس کے ساتھ ہی میثاق کے اگست ستمبر ۸۴ء کے دو شماروں میں "جہاد بالقرآن" کا ایک بار پھر مطالعہ کر لیں۔ تاکہ بات پورے طور پر سامنے آئے۔

وَأَنزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ

(الحدید: ۲۵)

اور ہم نے لوہا اتارا

جس میں جنگ کی بڑی قوت ہے

اور لوگوں کے لیے بڑے فوائد بھی ہیں۔

اتفاق فاؤنڈریز لمیٹڈ

۳۲۔ ایمپریس روڈ۔ لاہور

شذرات

★ محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ نے یکم مارچ ۸۵ء کے خطاب جمعہ میں، مسجد دار السلام میں 'حالات حاضرہ' پر جو اظہارِ خیال فرمایا تھا اس کا صرف ملخص قارئین کرام کے استفادہ کے لئے پیش ہے۔ (جمیل الرحمٰن)

حمد و ثنا، صلوٰۃ و درود اور ادعیہ مسنونہ و ماثورہ کے بعد فرمایا:

حضرات! بہت طویل عرصہ سے ہمارے ان اجتماعات میں بہت اہم اور بنیادی دینی موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی ہے۔ خاص طور پر اسلامی انقلاب اور اس کا طریق کار، سیرت النبی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے اس کا استنباط، پھر یہ کہ اس دور میں ہمیں کس کس پہلو سے اس میں اجتہاد کی ضرورت ہے! یہ موضوعات بڑی تفصیل سے زیر بحث رہے ہیں۔ آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے اس پورے عرصہ میں ملک کے سیاسی حالات و واقعات کے بارے میں اپنی اصل تقریروں کے بعد کسی سوال کے جواب میں کوئی مختصر سی بات کہی ہو تو کہی ہو ورنہ ان میں سے کسی چیز کو اپنی کسی تقریر کا موضوع نہیں بنایا۔ لیکن اس سلسلہ میں آج میں چاہتا ہوں کہ کچھ چیزیں زیر بحث لاؤں۔

ملک میں سیاسی و انتخابی عمل کیوں ضروری ہے!

آپ کو یاد ہوگا کہ پچھلے جمعہ میں میں نے اصل تقریر کے بعد جملاً یہ عرض کیا تھا کہ ہم نہ الیکشن کا بائیکاٹ کرنے والوں میں ہیں نہ ان میں حصہ لینے والوں میں ہیں۔ میں نے اور تنظیم اسلامی نے یہ طے کر رکھا ہے کہ ہم الیکشن کا راستہ اختیار نہیں کریں گے۔ البتہ ہم نے یہ طے کر رکھا ہے کہ ہمارے حلقہ انتخاب میں اگر کوئی امیدوار نیک اور سیرت و کردار کے لحاظ سے دیندار ہوگا تو اس کے حق میں ووٹ دیا جا سکے گا۔ اگر وہ کسی جماعت کے ٹکٹ پر کھڑا ہو تو اضافی شرط یہ ہوگی کہ اس جماعت کے منشور میں کوئی شق خلافِ اسلام نہ ہو۔ چونکہ ہماری رائے میں اس ملک میں صحیح اسلامی نظام الیکشن کے ذریعہ قائم و نافذ ہونا ممکن العمل نہیں ہے یہاں جب بھی اسلامی نظام قائم و نافذ ہوگا وہ ان شاء اللہ انقلابی نہج کی جدوجہد کے نتیجہ میں ہوگا — یہ انقلابی نہج• سیرت مطہرہ کے تفصیلی اور مرحلہ وار جدوجہد سے متعلق قریباً اٹھ دس مسلسل تقاریر کے

بین السطور توقع ہے کہ آپ نے سمجھ لیا ہوگا۔ میں نے یہ بھی عرض کیا تھا کہ مجھے کافی عرصہ سے ملک کے مستقبل کے بارے میں حالات کے شدید پریشان کن پہلوؤں کے پیش نظر جو تشویش لاحق تھی اس میں کچھ عرصہ سے قدرے تخفیف ہوئی ہے اور کچھ امید کی کرن نظر آ رہی ہے۔ میں آج اسی پر قدرے تفصیل سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں — آپ حضرات کو یاد ہو گا کہ میں اپنی تقاریر میں شدت سے یہ بات کہتا رہا ہوں کہ اس ملک میں سیاسی اور انتخابی عمل جلد از جلد جاری ہونا اس ملک کی بقا اور استحکام کے لئے نہایت ضروری ہے۔ صدر صاحب سے نجی ملاقاتوں میں بھی ان سے کہہ چکا ہوں اور شوریٰ کے پہلے اجلاس میں بھی میں نے یہ بات بڑے شدّ و مدّ کے ساتھ کہی تھی۔ میں نے یہ تجویز بھی رکھی تھی کہ موجودہ مارشل حکومت اگر اس بارے میں کھلے اجلاس میں اپنا موقف زیرِ گفتگو لانا نہیں چاہتی تو جس طرح خارجہ پالیسی پر بند اجلاس میں گفتگو ہو چکی ہے۔ جس میں باہر کے کسی شخص حتیٰ کہ پریس کے نمائندوں کو بھی شرکت کی اجازت نہیں تھی اسی طرح بند اجلاس میں اس مسئلہ پر گفتگو کر لی جائے۔ لیکن نقار خانے میں طوطی کی آواز کی طرح میری یہ تجویز کسی نے تسلیم نہیں کی۔ بعدہٗ بہت سے اسباب کے پیش نظر میں جلد ہی شوریٰ سے استعفیٰ دے کر علیحدہ ہو گیا پھر میں نے دسمبر ۸۲ء میں صدر صاحب کو ایک خط لکھا کہ میں اس بات سے تو مایوس ہو چکا ہوں کہ موجودہ حکومت واقعی اور حقیقی اسلام کے نفاذ کے لئے مؤثر ہو سکتی ہے لہٰذا اس کیلئے ضروری ہے کہ اس ملک میں جلد از جلد انتخاب کرائے تاکہ یہاں کے لوگوں میں محرومی کا احساس ختم ہو جو روز بروز بڑھتا جا رہا ہے اور جو ملک کے مستقبل کے لئے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ یہ تمام باتیں میں سمجھتا ہوں کہ آپ میں سے اکثر حضرات کے علم میں ہوں گی — ان میں سے اکثر باتیں اخبارات میں اور میثاق میں شائع ہو چکی ہیں — البتہ ایک بات کا اعادہ ضروری ہے۔ مختلف اوقات میں بہت سے مخلصین مجھ سے یہ سوال کرتے رہے ہیں کہ ایک طرف تم کہتے ہو کہ اسلام انتخابی عمل سے نہیں آسکتا، صرف انقلابی عمل سے آسکتا ہے۔ دوسری طرف تم الیکشن کے عمل کو جاری کرنے پر بڑا انتہائی زور دیتے رہے ہو تو ان میں تضاد ہے — میں اسکی متعدد بار وضاحت کر چکا ہوں آج پھر کیے دیتا ہوں۔

اصل میں ظاہری طور پر یہ تضاد اس لئے محسوس ہوتا ہے کہ ہم دو چیزوں کو گڈ مڈ کر دیتے ہیں۔ اللہ کے لئے ان دونوں کو بالکل علیحدہ علیحدہ اپنے سامنے رکھیے۔ دونوں کے تقاضے جدا ہیں۔ ان کو آپس میں خلطِ مبحث نہ کیجیے۔ ان دونوں کو میں ایک مثال سے

سمجھا رہا ہوں کہ ایک ہے کسی انسان کا زندہ رہنا۔ اور ایک ہے کسی انسان کا مسلمان بننا۔ ان دونوں چیزوں کے تقاضے مختلف ہیں۔ ہر انسان کو خواہ وہ کسی دین و مذہب سے تعلق رکھتا ہو زندہ رہنے کے لئے ضرورت ہے ہوا کی۔ پانی کی اور غذا کی۔ ان میں سے کسی چیز کو بھی آپ بند کر دیں گے تو انسان مر جائیگا۔ ہوا بند ہو جائے۔ تو چند منٹوں میں مر جائیگا۔ پانی بند ہو تو شاید ایک ہفتہ گزر جائے۔ غذا روک دیں تو ممکن ہے پندرہ بیس دن زندہ رہ جائے۔ الغرض زندگی کا تسلسل قائم رکھنے کے لئے انسان کے لئے یہ تینوں چیزیں لازم ہیں۔ اللہ ایک انسان کے مسلمان بننے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے دل میں ایمان ہو۔ خواہ کسی درجہ میں ہو۔ اللہ پر یقین ہو، آخرت پر یقین ہو، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر یقین ہو، قرآن مجید کے کلام ربانی ہونے پر یقین ہو۔ یہ چیزیں ہونگیں تو وہ اپنی عملی زندگی میں مسلمان بن سکے گا۔ لہٰذا یہ دونوں چیزیں بالکل جدا ہیں لیکن ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ان دونوں کو بعض نیم سیاسی نیم مذہبی جماعتوں نے ہمارے یہاں گڈ مڈ کر دیا ہے۔ لوگ بھی اپنی نیک نیتی اور سادہ لوحی کے باعث اسے علیحدہ علیحدہ سمجھ نہیں پا رہے۔ ورنہ یہ دونوں چیزیں ایک نہیں ہیں بالکل علیحدہ علیحدہ ہیں۔ پس جس طرح ایک انسان کے زندہ رہنے کے لوازم کچھ اور ہیں۔ اور ایک انسان کے مسلمان بننے کے تقاضے کچھ اور ہیں۔ اسی طریقہ سے پاکستان کے بقاء کے لئے لازم ہے کہ ملک کے تمام رہنے والوں کو اطمینان ہو کہ ہمارے حقوق محفوظ ہیں۔ مختلف علاقوں اور طبقوں کے لوگوں کو بھی اطمینان ہو کہ ملکی معاملات میں ہماری رائے کا بھی ایک مؤثر درجہ اور حصہ ہے۔ ان کو چلانے والوں میں ہمارے نمائندے بھی ہماری رائے اور پسند کے مطابق شریک ہیں۔ الغرض کسی کو بھی احساس محرومی نہ ہو۔ کوئی بھی یہ نہ سمجھے کہ ایک مخصوص علاقے یا طبقے کے لوگ بطور حکمران ہم پر مسلط ہیں اور ہمارا مقام و مرتبہ صرف محکوم کا رہ گیا ہے۔ اس احساس محرومی کو ختم کرنے کا اصل ذریعہ سیاسی اور انتخابی عمل ہے۔ غیر جانب دارانہ منصفانہ آزادانہ اور صاف ستھرا مسلسل سیاسی و انتخابی عمل۔ اس کو میں ہوا کے مشابہ سمجھتا ہوں۔ اگر ہوا کی آمد و رفت نہ رہے، اگر سانس کی آمد و شد نہ رہے تو یہ سب سے زیادہ مہلک و خطرناک ہے آپ جانتے ہیں کہ انسان کا ہر سانس اس کیلئے باعث تقویت بھی ہے اور باعث تنقیہ بھی اس لئے کہ اس طرح جسم کو توانائی بھی حاصل ہوتی ہے اور خون کی صفائی بھی ہوتی ہے۔ تو جس طرح انسان کی زندگی کا یہ معاملہ ہے، اسی طریق پر اس دور کے آزاد ملک میں جیسا کہ ہمارا ملک پاکستان ہے سیاسی و انتخابی

عمل طویل عرصہ کے لئے رُک جائے۔ معطل ہو جائے تو اس کا نتیجہ ملک کے حق میں نہایت ہولناک نکلے گا۔ سیاسی و انتخابی عمل غیر پسندیدہ عناصر کو ایوانِ حکومت سے بے دخل کرنے اور پسندیدہ لوگوں کو منتخب کرنے کے مسلسل مواقع فراہم کرتا ہے۔ جو ہوا کے عمل سے مشابہت رکھتا ہے۔ اسی لئے میں شد و مد اور تکرار کے ساتھ حسبِ موقع یہ کہتا رہا ہوں کہ اس ملک میں سیاسی و انتخابی عمل شروع ہونا اور جاری رہنا لازمی اور ضروری ہے۔ ورنہ مختلف علاقے کے لوگوں کے احساسِ محرومی کو وہ لوگ جو نظریہ پاکستان سے متفق نہیں ہیں، وہ مختلف طریقوں سے لوگوں کو غیر مطمئن کریں گے اور کر رہے ہیں۔ جو اس ملک کی بقا، اس کی سالمیت، اس کی یک جہتی کے لئے انتہائی مضر ہے۔ اسی لئے میں نے صدر صاحب کی جانب سے انتخاب کے انعقاد کے اعلان کا خیر مقدم کیا تھا اور امید کی کرن بھی اسی لئے پیدا ہوئی ہے کہ سیاسی و انتخابی عمل کا آغاز ہو گیا ہے۔ پھر یہ کہ میری محدود معلومات اور اخبارات کے مطالعہ سے معلوم ہوا ہے کہ بہت بڑی حد تک انتخابات غیر جانب دارانہ اور منصفانہ ہوئے ہیں۔ مارشل لا حکومت نگران تو رہی ہے لیکن بحیثیتِ مجموعی غیر جانب دار رہی ہے۔ اگر کہیں کچھ قابلِ اعتراض حرکتیں ہوئی ہیں تو وہ شاذ بھی ہیں اور ان کی ذمہ داری محدود طور پر صرف حلقے کے منتظمینِ انتخاب کے سر جاتی ہے۔ یہ حرکتیں تو کسی نہ کسی درجہ میں بعض ان ملکوں میں بھی ہوتی ہیں جو جمہوریت کی چیمپین کہلاتی ہیں۔ بحیثیتِ مجموعی دُنیا نے تسلیم کیا ہے کہ انتخابات غیر جانب دارانہ ہوئے ہیں۔

اسلامی نظام کے قیام و نفاذ کے لئے انتخابی عمل مفید نہیں ہے!

البتہ جہاں تک پاکستان کا صحیح معنی میں اسلامی ریاست بننے اور اس میں صحیح طور پر اسلامی نظام کے قیام و نفاذ کا تعلق ہے۔ صرف چند تعزیرات اور صرف چند قوانین نہیں۔ بلکہ اس کا سیاسی، اقتصادی، معاشی، سماجی، معاشرتی اور عائلی نظام پورا کا پورا اور بھرپور طریقے پر یہاں قائم و نافذ ہو جائے تو اس کا طریقہ الیکشن کا نہیں ہے۔ اس راستہ سے کوئی مثبت پیش قدمی ممکن نہیں ہے۔ بلکہ میں پھر وہی بات عرض کروں گا جس کا مختلف مواقع پر اظہار کر چکا ہوں کہ اس طریقہ سے منفی نتائج نکلتے ہیں۔ انتخابی عمل کے ذریعہ تحزّب اور حریفانہ جذبات، کدورتیں، عداوتیں پیدا ہوتی ہیں۔ جب مقابلہ ہو گا تو مختلف گروہوں اور طبقوں میں ان چیزوں کا جڑ پکڑنا ایک لازمی بات ہے۔ یہ چیزیں کسی ایسی جماعت کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ بن جاتی ہیں، خالصتاً اسلام کے لئے کام کرنا چاہتی ہو۔ خواہ وہ اپنے دل میں اور کام میں کتنی ہی

مخلص ہو لیکن ظاہر بات ہے کہ الیکشن میں آئے گی تو مقابلہ میں آئے گی اور مقابلہ میں بھی مسلمان ہیں - انہی کی دوسری جماعتیں ہیں جن میں سے اکثر اسلام ہی کے نام پر انتخابات میں حصہ لے رہی ہوں گی - لہٰذا مسلمانوں ہی کی مختلف جماعتوں، گروہوں، پارٹیوں کا باہمی یہ انتخابی کش مکش اور کشمکش کا معاملہ رکاوٹ بن جائے گا اس جماعت کے لئے جو خالصتہً اسلامی نظام کے لئے کام کرنا چاہتی ہو - وہ جب کسی کی مدمقابل اور حریف بن کر میدان میں آئے گی اور ووٹوں کے حصول کے لئے کوشش کرے گی تو اس کی داعیانہ حیثیت شدید مجروح ہوگی اور وہ کبھی بھی اکثریت میں منتخب ہو کر ایوانِ حکومت میں نہیں پہنچ سکے گی - لہٰذا ایسی جماعت کا خود حریف بن کر الیکشن کے میدان میں اترنا یا کسی جماعت یا کسی آزاد امیدوار کی بلاواسطہ یا بالواسطہ حمایت کرنا - اس کے لئے کنوسنگ کرنا، کسی کے لئے رائے عامہ کو ہموار کرنا ایسی سنگین چٹان ثابت ہوگا جو ہٹائے نہ ہٹے گی - لہٰذا اس ملک کو اسلامی ریاست بنانے اور اسلامی نظام کو مستحکم بنیادوں پر قائم اور نافذ کرنے کا عمل کسی طور پر بھی انتخابی سیاست کے ذریعے ممکن نہیں ہو سکے گا بلکہ اس کا راستہ انقلابی راستہ ہے - جس کے بارے میں تفصیل کے ساتھ میں متعدد بار گفتگو کر چکا ہوں - ان کا حوالہ تنظیم اسلامی کی بعض مطبوعات میں بھی مل جائے گا -

ترجیحات کا تعین ضروری ہے

موجودہ الیکشن کے نتائج الم نشرح ہو کر سب کے سامنے موجود ہیں - یہ نتائج ان حضرات کے لئے لمحہ فکریہ ہیں جو خلوص سے پاکستان میں اسلامی نظام کے لئے اجتماعی طور پر کوشاں ہیں لیکن انہوں نے اس کے لئے انقلابی طریق کار کو چھوڑ کر انتخابی سیاست کی راہ اختیار کر رکھی ہے حالانکہ جس جماعت سے وہ وابستہ ہیں اُسی نے انقلابی طریق کار سے تقسیم ملک سے قبل برصغیر کے مسلمانوں کو متعارف کرایا تھا - میں سمجھتا ہوں کہ پھر یہ موقع آگیا ہے کہ وہ لوگ اپنے موجودہ طریق کار پر نظر ثانی کریں - میں پوری دل سوزی کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ جو لوگ واقعتہً اسلام کے لئے کام کرنا چاہتے ہیں ان کو اپنی ترجیحات کا از سر نو تعین کر لینا چاہیے - میرے نزدیک ہر انسان، ہر گروہ، ہر جماعت کو واضح اور شعوری طور پر طے کرنا چاہیے کہ اس کی اوّلین ترجیح (First Privilege) کیا ہے! جس طرح ایک فرد کے لئے ضروری ہے کہ اگر وہ ایک کامیاب انسان بننا چاہتا ہے تو وہ شعوری طور پر فیصلہ کرے کہ وہ کیا بننا چاہتا ہے! اسی طرح ایک جماعت کے لئے بھی لازم ہے کہ وہ شعوری طور پر طے کرے کہ اس کا اصل ہدف

کیا ہے؟ اس کے بغیر اکثر ایسا ہوتا ہے کہ افراد بھی اور جماعتیں بھی بہت سے گوشوں میں کوششیں کرتی اور ہاتھ پاؤں مارتی ہیں اور کسی ایک سمت میں بھی پیش قدمی کر نہیں پاتیں۔ معنی خیز اور نتیجہ خیز کام خواہ انفرادی سطح پر ہو خواہ اجتماعی سطح پر اس لئے لازم ہے کہ پہلے وہ اپنا مقصود و مطلوب اور ہدف متعین کرے۔ اس کے ساتھ دوسرا کام جتنا ہو جائے فبہا۔ نہ ہو تو نہ سہی۔ لہٰذا ترجیحات کا تعین ہونا چاہیئے۔

پس میں پھر ان دینی جماعتوں سے درخواست کروں گا جو انتخابی سیاست کے میدان میں اُتر آئی ہیں کہ وہ بڑے ٹھنڈے دل سے سوچیں، غور کریں کہ اگر ان کا اوّلین ہدف اور اوّلین ترجیح ہے احیاءِ اسلام — تو اس کام کے لئے انتخابی سیاست کا طریقہ مؤثر نہیں ہے — اس میں قوتیں اور توانائیاں ضائع ہوتی ہیں — اس الیکشن میں کم قوتیں نہیں لگی ہیں، کم توانائیاں صرف نہیں ہوئی ہیں۔ لیکن حاصل کیا ہوا! اور یہ نتائج پے بہ پے سامنے آ رہے ہیں۔ اس اعتبار سے اُن قوتوں کے لئے نظر ثانی کا ایک موقع ہے کہ جن کا ہدفِ اوّلین احیاءِ دین ہے — البتہ جن لوگوں کا خیال ہے کہ ہمیں قومی سطح پر کام کرنا ہے تو یہ کوئی غلط کام نہیں ہے۔ میں اُسے گناہ نہیں سمجھتا۔ اس پہلو سے جو لوگ طے کر لیں کہ اس ملک میں قومی سطح پر سماجی اصلاح کرنا، سیاسی شعور پیدا کرنا جمہوریت لانا، معاشی عدل قائم کرنا ہمارا پہلا ہدف اور اوّلین ترجیح ہے تو ٹھیک ہے۔ وہ سیاسی اور انتخابی طرز پر کام کریں یہ لوگ میری رائے میں ثانوی طور پر اسلام کی بھی کچھ خدمت کر سکتے ہیں۔ لیکن جن کی اوّلین ترجیح دین ہے۔ میں پھر عرض کروں گا کہ ان کے لئے انتخابی سیاست کی راہ ہرگز مفید نہیں ہے۔ ایسے حضرات کو اپنے طریق کار پر نظر ثانی کرنا چاہیئے۔ پروفیسر غفور احمد صاحب نے جو (کالعدم) جماعتِ اسلامی کے نائب امیر ہیں اپنے کارکنوں کے اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے جو کل کے اخبار میں آئی ہے، کہا ہے "ہمیں کام تو زور شور سے کرنا چاہیئے لیکن ساتھ ہی یہ بھی سوچنا چاہیئے کہ آخر نتائج کیا ہیں! ان کے اسباب کیا ہیں! ہمارے طریق کار میں کہاں غلطی ہے!" جس کا نتیجہ ہمارے سامنے بار بار اس صورت میں آ رہا ہے۔

امید کی کرن کونسی ہے!

میں نے پچھلی مرتبہ بھی عرض کیا تھا اور آج اس کا اعادہ کیا ہے کہ موجودہ صورت حال میں مجھے امید کی کچھ کرن نظر آتی ہے اور میری تشویش میں کچھ تخفیف ہوئی ہے۔ میں اب اس کی کچھ وضاحت کرنا چاہتا ہوں — اس کا اصل میں پس منظر یہ ہے کہ جن لوگوں کی بھی اپنے ملک کی قومی اور سیاسی

حالات پر گہری نگاہ ہے، وہ یہ بات جانتے ہیں کہ ہمارے یہاں عوامی سطح پر سیاسی شعور اور جس سطح کی مضبوط سیاسی تنظیم ہونی چاہیئے یہ دونوں چیزیں تا حال موجود نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں جب انتخابات ہوتے ہیں تو اکثر و بیشتر وہی چہرے اور وہی خاندان ابھر کر ایوانِ حکومت میں پہنچتے ہیں جو شروع سے چلے آرہے ہیں۔ فرق اگر واقع ہوتا ہے تو اتنا کہ باپ کی جگہ بیٹا، بھائی یا بھتیجا آجاتا ہے۔ یہی صورتِ حال موجودہ انتخابات میں بھی نظر آتی ہے لیکن پہلے سے کچھ کم۔ بہرحال خوش آئند بات یہ ہے کہ جو لوگ اب آئے ہیں وہ الیکشن لڑ کر آئے ہیں۔ اب ان کا معاملہ وہ نہیں ہے جو سابقہ شوریٰ کا تھا جو پوری کی پوری صدر صاحب کے نامزد کردہ افراد پر مشتمل تھی۔ میں نے پچھلی مرتبہ عرض کیا تھا کہ یہ شوریٰ بھی محض انگوٹھا چھاپ ثابت نہیں ہوئی تھی کہ صدر صاحب کی مرضی کے مطابق ہر معاملہ میں تائیدی ٹھپا لگا دے۔ بلکہ اس نے قرار داد پاس کی تھی کہ الیکشن جماعتی ہونے چاہئیں اور یہ بات صدر صاحب کو بالکل پسند نہیں تھی۔ یہی وجہ ہے کہ شوریٰ کی قرار داد کے علی الرغم غیر جماعتی الیکشن منعقد ہوئے۔ بہرحال جو لوگ بھی منتخب ہوئے ہیں وہ الیکشن لڑ کر آئے ہیں لہٰذا ان کا طرزِ عمل نامزد شوریٰ سے بالکل مختلف ہوگا۔ اب اختیارات لینے اور دینے یا نہ دینے کے مابین ایوانِ حکومت کے اندر ایک صحیح طرز کی کشمکش شروع ہوگی۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اقتدار وہ بُری بلا ہے کہ جس کے قبضہ میں آجائے وہ اُسے چھوڑنے کے لئے آسانی سے تیار نہیں ہوتا۔ خواہ وہ کوئی فرد ہو خواہ کوئی طبقہ۔ اس کے لئے بڑی کشاکش ہوتی ہے اور اگر درجہ بدرجہ آئینی طور طریقوں سے یہ کام ہو تو یہ ملک و قوم کے لئے مبارک و مفید عمل ہوتا ہے۔ مشہور کہاوت ہے کہ 'جو سہج پکے سو میٹھا ہو'۔ لہٰذا توقع ہے کہ اس وقت جو لوگ الیکشن لڑ کر کامیاب ہوئے ہیں وہ یقیناً اب ایوان میں بیٹھ کر جو مطالبے اور تقاضے کریں گے تو جلد ہی ان شاء اللہ جمہوریت کی طرف مثبت بنیاد پر پیش رفت کا آغاز ہو جائے گا۔

ایک قابلِ داد طرزِ عمل

اس کے ساتھ ہی میں ایم آر ڈی کو داد دیتا ہوں۔ بہت سے حضرات کو شاید یہ بات پسند نہ آئے۔ لیکن میری سوچی سمجھی رائے ہے کہ اس عرصہ میں ایم آر ڈی نے ایک مثبت کردار ادا کیا ہے۔ غور کیجئے کہ وہ اپنے اس موقف پر ڈٹی رہی ہے یا نہیں کہ ہم ۱۹۷۳ء کے دستور کی بحالی کے بغیر الیکشن میں حصہ لینے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ یہ بھی میرے نزدیک سیاسی اعتبار سے ایک صحت مند روایت قائم ہوئی ہے کہ کچھ بااثر لوگ تو ایسے موجود ہیں جو اصولوں پر

ڈٹے رہے ہیں - یہ دوسری بات ہے کہ اس پارٹی کے بعض لوگوں نے اپنے طور پر الیکشن لڑا ہے - لیکن ساتھ ہی دیکھئے کہ ایم آر ڈی نے ایسے لوگوں کو اپنی پارٹی سے خارج کر دیا ہے - کم و بیش یہی موقف اور طرزِ عمل جمعیت علماء پاکستان (مولانا نورانی میاں گروپ) کا رہا ہے - جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ دوسری طرف ایک خالص سیاسی اور ایک نیم دینی اور نیم سیاسی جماعت نے انفرادی طور پر اپنے امیدوار کھڑے کئے اور حالانکہ یہ "غیر جماعتی" انتخابات تھے لیکن ان دونوں جماعتوں' بالخصوص آخر الذکر جماعت نے اپنے ہم خیال امیدواروں کو کامیاب کرانے کے لئے اپنی پوری توانائیاں اپنے پورے وسائل اور اثر و رسوخ کو استعمال کیا ہے جبکہ اسی آخر الذکر جماعت نے "غیر جماعتی" طور پر انتخابات میں حصہ لینے کیلئے چند شرائط پیش کی تھیں اور اخبارات کی اطلاع کے مطابق ان میں سے اکثر کو صدر صاحب نے منظور بھی کر لیا تھا - جبکہ میری معلومات کے مطابق کسی ایک شرط پر بھی عمل نہیں ہوا -

اُصول پسندی کے خوشگوار نتائج نکلنے کی توقع

ایم آر ڈی اور دوسرے عناصر کی اصول پسندی کا یہ خوشگوار نتیجہ نکلنے کی توقع ہے کہ بحالیٔ جمہوریت کے لئے ایوان سے باہر ایک زور یہ عناصر لگائیں گے اور ایک زور ایوانِ حکومت میں اندر سے ان حضرات کا لگے گا جو الیکشن کے ذریعے وہاں پہنچے ہیں - جن کی اکثریت کے متعلق مجھے یہ خوش اعتقادی ہے کہ وہ ربڑ اسٹیمپ نہیں بنیں گے اس طور پر بتدریج اور پُرامن طریقے پر بحالیٔ جمہوریت کی طرف صحیح نہج پر پیش رفت ہونے کی صورت نکلے گی اور فوج سے اقتدار عوام کے منتخب نمائندوں کو منتقل ہونے کا عمل آگے بڑھے گا۔ پیر پگاڑا صاحب پہلے فرما چکے ہیں کہ موجودہ انتخاب ایک نوع کی ریہرسل ہیں اور حال ہی میں انہوں نے کہا ہے کہ اصل انتخاب تو دو تین سال بعد ہونگے - اور وہ جماعتی بنیاد پر ہوں گے - اگر یہ ہو جائے تو یہ بہت خوش آئند بات ہو گی کہ الیکشن اس نہج پر ہو کہ ملک کے تمام عناصر اس میں بھرپور طریقہ سے حصہ لیں اور اس طرح عوام کے حقیقی نمائندوں پر مشتمل ایک قیادت ابھر کر آ جائے - نیز سندھ میں الیکشن کے مواقع پر جو صورتِ حال سامنے آئی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہاں جو عناصر مکمل علاقائی خود مختاری کا ہی نہیں تخریب کاری کا بھی رجحان رکھتے ہیں وہ فی الوقت اتنے مؤثر نہیں تھے کہ وہ اسمبلی الیکشن کا راستہ روک سکتے - اگرچہ مجھے اندازہ ہے کہ سندھ کے نوجوان تعلیم یافتہ لوگوں کی اکثریت ذہناً نظریۂ پاکستان کو تج چکی ہے - بلکہ اس سے بھی آگے والی نہایت

تشویش ناک صورت یہ ہے کہ ایسا رجحان رکھنے والے نوجوانوں کی خاصی تعداد اسلام سے بھی ذہناً بہت دور جا چکی ہے ۔ بہر حال اگر صحیح طور پر ملک میں سیاسی و جمہوری عمل جاری رہے تو اس کا خوش گوار نتیجہ یہ نکلے گا کہ جن صوبوں میں احساس محرومی سرطان کی طرح جڑیں پکڑ رہا ہے اس کا کچھ نہ کچھ مداوا ہونے کی سبیل نکل آئے گی ۔ ویسے میں کئی بار عرض کر چکا ہوں کہ پاکستان کی بقا اور اس کے حقیقی استحکام کا اصل دار و مدار صحیح و حقیقی اسلامی نظام کے قیام و نفاذ پر ہے ۔ یہ کام پورے خلوص کے ساتھ نہیں ہوگا تو اس قسم کے خطرناک اور تشویش ناک مسائل مسلسل سر اٹھاتے رہیں گے ۔

محترم صدر مملکت کی خدمت میں چند گذارشات

اب میں چند باتیں صدر صاحب کی خدمت میں گوش گزار کرنا چاہتا ہوں ۔ آپ نے بعض اوقات میری زبان سے صدر صاحب کے بارے میں کچھ تنقیدی اور تلخ باتیں بھی سنی ہونگیں ۔ وہ بھی درحقیقت اپنی اصل کے اعتبار سے خیر خواہانہ مشورے تھے ۔ آج میں اس امید میں چند ضروری مشورے پھر ان کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں کہ سامعین میں چند حضرات ایسے ضرور ہونگے جن کے ذریعہ میری گذارشات ان کی خدمت میں پہنچ جائیں گی ۔

مبارک باد

پہلی بات تو مبارکباد سے متعلق ہے ۔ انتخابات کے بارے میں انہوں نے جس بات کا عزم ظاہر کیا تھا ۔ اُسے پورا کر دکھایا ۔ انتخابات غیر جانب دارانہ ہوئے ہیں ۔ اس بات کو دُنیا نے تسلیم کیا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے اکثر معتمدین خاص اس الیکشن میں ہار گئے ورنہ اگر حکومت کی سطح پر غیر جانب داری نہ برتی جاتی تو یہ بات ممکن نہیں تھی ۔ لہٰذا اس کے لئے یقیناً صدر صاحب قابلِ مبارک باد ہیں ۔

عائلی قوانین

دوسری بات یہ کہ انہوں نے اسلامائزیشن کا جو عمل شروع کیا تھا تو اب انہیں جو وقت مل رہا ہے اس میں انہیں ثابت کرنا چاہیئے کہ وہ اس کے ضمن میں پورے مخلص ہیں لہٰذا اُسے وہ پوری دیانت کے ساتھ ، سنجیدگی ، محنت اور عزم کے ساتھ آگے بڑھانے کی پوری کوشش کریں ۔ اس کام کے اعتبار سے میرے نزدیک اسلامائزیشن کے ضمن میں انہوں نے اپنے ماتھے پر جو سب سے بڑا داغ لیا ہوا ہے وہ یہ ہے کہ اُن عائلی قوانین کو جو صدر ایوب صاحب نے بحیثیت چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر ایک مارشل لا آرڈیننس کے ذریعے نافذ کئے تھے

ے اور ہمارے ملک کے تمام دینی مکاتبِ فکر کے علماء کے نزدیک ان قوانین کی بیشتر دفعات خلافِ اسلام ہیں۔ ان قوانین کو موجودہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور صدر مملکت نے تاحال تحفظ دیا ہوا ہے۔ یہاں تک کہ ان پر نظر ثانی کرنے کے لئے شریعی کورٹ بھی مجاز نہیں ہے۔ وہ شریعت کورٹ جس کے جج صاحبان کو خود انہوں نے اپنی صوابدید کے مطابق ملک کے جیّد علماء اور اعلیٰ ماہرینِ آئین و قوانین میں سے انتخاب کر کے تقرر کیا ہے لیکن اس کورٹ کے ہاتھ باندھ دیئے گئے ہیں کہ وہ فلاں فلاں قوانین پر غور و فیصلہ کی مجاز نہیں ہوگی۔ ان میں عائلی قوانین بھی شامل ہیں جبکہ ہر وہ شخص جو دین کے نظام پر تھوڑی بہت بھی نگاہ رکھتا ہے وہ اس بات سے واقف ہوگا کہ عائلی و معاشرتی قوانین یعنی نکاح، طلاق، وراثت، ستر و حجاب، مرد و عورت کے فرائض و حقوق وغیرہ کو قرآن حکیم میں سب سے زیادہ اہمیت دی گئی ہے اور طویل طویل سورتوں میں ان کو تفصیل سے زیرِ بحث لایا گیا ہے اور ان کے تمام پہلوؤں کو واضح کیا گیا ہے جو زندگی کے اس پہلو سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ اجتماعی زندگی کی پہلی اینٹ خاندان کا ادارہ ہے۔ میں پہلے کئی بار وضاحت سے بیان کر چکا ہوں اجتماعی زندگی کی کئی منزلیں ہیں۔ جن میں سے پہلی منزل خاندان کا ادارہ ہے۔ اگر یہ پہلی اینٹ صحیح ہوگی تو پوری تعمیر صحیح ہوگی۔ یہ کج ہوگی تو نتیجہ اس شعر کے مصداق نکلے گا

خشتِ اوّل چوں نہد معمار کج　　تا ثریا می رود دیوار کج

میں نے صدر صاحب سے ایک ملاقات میں بھی عرض کیا تھا کہ میں دعویٰ نہیں کرتا کہ جو کچھ میں کہتا ہوں وہی صحیح ہے۔ میں کون! میں تو عالم ہونے تک کا مدعی نہیں مفتی ہونا تو بہت بڑی بات ہے۔ میں نے عرض کیا تھا کہ آپ شریعت کورٹ کے ہاتھ کھول دیجئے۔ ہر نقطۂ نظر کے لوگ آئیں شریعت کے حوالوں سے دلائل پیش کریں۔ پھر شریعت کورٹ اس فیصلہ کی مجاز ہو کہ شریعت کا اصل منشاء کیا ہے

معاشی ڈھانچہ کی تبدیلی کی ضرورت

تیسری گذارش یہ ہے کہ اگر واقعتاً اس ملک میں صدر صاحب پائیدار جمہوریت قائم و نافذ کرنا چاہتے ہیں تو یہاں کا جو معاشی ڈھانچہ ہے اس کے بارے میں بنیادی طور پر غور و فکر کریں۔ جہاں تک نقد کے سود کا معاملہ ہے بہرحال اس میں اب تک جو کچھ ہوا ہے ہم اور اکثر علماء کرام اس سے مطمئن نہیں ہیں۔ صرف لیبل بدلا گیا ہے اصل روح کے اعتبار سے نظام سودی ہی ہے۔ لیکن کم از کم یہ تو ہے

ہے کہ غور و فکر کیا گیا - کمیشن بنے - جو لوگ اس معاملہ کے ماہرین ہیں انہوں نے کچھ عرق ریزی اور کوشش کی ہے کہ اگر سود کی لعنت بالکلیہ ختم نہ ہو تو کم از کم اس کو کمزور اور نرم کر دیا جائے اور سرمایہ داری کے سودی نظام میں اسلام کی کچھ پیوند کاری ہی ہو جائے - لیکن اس ملک میں جمہوریت کے اعتبار سے جو اہم ترین مسئلہ ہے وہ زمینداری کا مسئلہ ہے - چونکہ ہمارا ملک بنیادی طور پر زرعی ملک ہے اور اس کی کثیر آبادی کاشتکاروں پر مشتمل ہے - اس کے بارے میں غور و فکر کے لئے بھی آمادگی نہیں - میں نے جو تھوڑا سا وقت شوریٰ میں گزارا تھا تو ایوان میں عرض کیا تھا کہ ایک لینڈ کمیشن مقرر کیا جائے - اس میں علماء کو بھی شامل کیا جائے - اس میں جدید بندوبست اراضی کے جو ماہرین ہیں، وہ بھی شامل ہوں - پھر یہ کمیشن بتائے کہ موجودہ زمینداری اور مزارعت کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر کیا ہے! ہمیں انگریز کی وراثت کے طور پر جو زمین کا نظام ملا تھا - اس میں دو مرتبہ اصلاحات کی گئی ہیں لیکن اس کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا - اس لئے کہ یہ انہی لوگوں کے ہاتھوں ہوئی تھیں جو خود بڑے زمیندار تھے - وہ لوگ پہلے ہی سے ایسے تحفظات کر لیتے تھے کہ اصلاحات بے نتیجہ نکلیں - موجودہ نظام زمینداری پر اسلام کی روشنی میں بڑے سوچ بچار کی ضرورت ہے - آخر کوئی تو سبب ہے کہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ نے مزارعت کی ہر صورت کو حرام قرار دیا ہے چونکہ حضورؐ کی ایک حدیث موجود ہے جس میں مزارعت کو ربا قرار دیا گیا ہے - امام شافعی رحمہ اللہ نے بھی ایک استثناء کے علاوہ اُسے حرام ٹھہرایا ہے میں نے عرض کیا تھا کہ اگرچہ فقہ حنفی میں صاحبینؒ کی رائے پر فتویٰ ہے کہ مزارعت چند شرائط کے ساتھ جائز ہے - لیکن موجودہ مزارعت میں شاذ ہی ان شرائط کا لحاظ رکھا جاتا ہو - مزید یہ کہ جس بزرگ ہستی امام ابوحنیفہؒ کے نام سے یہ فقہ معنون ہے - یعنی فقہ حنفی تو میں پورے جزم کے ساتھ جانتا ہوں کہ امام اعظم رحمۃ اللہ کی مطلق رائے یہ ہے کہ مزارعت کی ہر شکل بالکل حرام ہے -

خراجی زمین کا معاملہ پھر ایک اور اہم مسئلہ ہے جس پر اس کمیشن کو سوچنا ہو گا - وہ یہ کہ فقہ حنفی ہی کی رو سے ہمارے بعض علماء کی نہایت ہی قابل غور اور فکر انگیز رائے یہ ہے کہ پاکستان کی اکثر و بیشتر قابل کاشت اراضی "خراجی زمینیں" ہیں عشری نہیں ہیں - "خراجی زمین" کا مطلب یہ ہے کہ جس ملک کو مسلمانوں نے فوجی قوت سے فتح کیا ہو وہاں کی زمینیں انفرادی ملکیت میں نہیں رہتیں بلکہ وہ حکومت کی اجتماعی ملکیت ہو جاتی ہیں اور ہمیشہ کے لئے ہو جاتی ہیں - اگر کسی وقت

کوئی دوسری قوم ملک پر قابض ہو جائے لیکن جب مسلمان اُسے دوبارہ حاصل کرلیں یا وہ ملک آزاد ہو جائے تو پھر بھی زمین کی حیثیت 'خراجی' رہے گی - گویا جو زمینیں ایک مرتبہ خراجی ہو گئیں وہ ہمیشہ خراجی رہیں گی - اس زمین کے مزارع ریاست کے مزارع ہوں گے اور یہ مزارعت موروثی چل سکتی ہے - کوئی زمیندار مالک بن کر ان پر قابض نہیں رہ سکتا - اب یہ مسئلہ بھی انتہائی غور اور حل طلب ہے - اس پر غور و فکر ہونا اور اسلام کی منشاء کے مطابق ہمارے یہاں کے کاشتکاری کے موجودہ نظام کو استوار کرنا لازم و لابد ہے - جس کے بغیر یہاں نہ صحیح طور پر جمہوریت آسکتی ہے اور نہ ہی اسلامی نظام قائم و نافذ ہو سکتا ہے اور اس کی برکات سے ہمارا ملک فیض یاب ہو سکتا ہے -

خطرہ ہماری سرحدوں پر منڈلا رہا ہے

اگر ہمارے ملک میں موجودہ سرمایہ داری اور زمینداری کے استحصالی نظام معیشت کو اسلام کے عدل و قسط پر مبنی معاشی نظام کے مطابق استوار نہ کیا گیا تو آپ کو معلوم رہنا چاہیئے کہ ایک نہایت ہولناک خطرہ درّہ خیبر تک پہنچا ہوا ہے - بار بار ہمارے دروازہ پر آکر دستک بھی دے گیا ہے - بلکہ اس نے کبھی کبھی Door crashing بھی کی ہے - لیکن اس کے باوجود ہماری آنکھیں نہیں کھلتیں اور ہم سمجھتے ہیں کہ سب کچھ ٹھیک ہے تو یہ ہماری بہت بڑی تاریخی غلطی ہوگی - اس اعتبار سے یہاں صحیح اسلام لانے اور صحیح جمہوریت قائم کرنے کے لئے ہمارے لئے ضروری بلکہ لازم ہے کہ ہمارے یہاں کا جو معاشی ڈھانچہ ہے اس کے بارے میں اسلام کی روشنی میں غور و فکر ہو - اسی طور پر ہم ان تمام باطل نظریات و افکار اور طاغوتی نظام ہائے حیات سے نبرد آزما ہو سکیں گے جو سرطان کی طرح نوع انسانی میں جڑیں پکڑ رہے ہیں -

دستوری ترامیم

جناب صدر سے ایک چوتھی بات یہ عرض کرنی ہے جس کے متعلق مختلف گوشوں سے صدائیں بلند ہو رہی ہیں جس سے میری اس بات کی تائید ہو رہی ہے کہ جو لوگ الیکشن لڑ کر آئے ہیں، وہ محض ربڑ اسٹاپ نہیں بن سکیں گے - آپ نے اخبارات میں دیکھ لیا ہوگا کہ بہت سی نگاہیں بدل گئی ہیں - اور ان کا لہجہ بدل گیا ہے - خواجہ صفدر صاحب کی طرف سے بھی بات آگئی ہے کہ دستور سے متعلق ترامیم کا معاملہ منتخب شدہ اسمبلی پر چھوڑ دینا چاہیئے -

لہذا صدر صاحب کو اس معاملہ میں کسی نئی بحث و مباحثہ اور ذہنی انتشار کے سدباب کے لئے یہ مسئلہ واقعتاً منتخب شدہ اسمبلی پر چھوڑ دینا چاہیئے - جو ترامیم بھی ان کے پیش نظر ہیں ان کو وہ کسی آرڈیننس کے ذریعہ نافذ کرنے کے بجائے انہیں اسمبلی میں پیش کرائیں اور معاملہ اس پر چھوڑ دیں [1]

مارشل لاء کا خاتمہ جناب صدر سے آخری بات یہ عرض کرنی ہے کہ انہیں جلد سے جلد مارشل لا ختم کر دینا چاہیئے تاکہ واقعتاً ایک سویلین حکومت ہمارے ملک میں قائم ہو جائے اور کسی درجہ میں بھی کوئی ایسی صورت نہیں ہونی چاہیئے کہ ترکی کے دستور کو سامنے رکھ کر نیم فوجی اقتدار برقرار رکھا جائے - میں آج جب مسجد کی طرف آ رہا تھا تو سوچ رہا تھا کہ قریباً پونے آٹھ سال جناب جنرل محمد ضیاء الحق صاحب نے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی حیثیت سے جس طرح اپنی ذہانت و فطانت اور متانت و سلاحیت کا بھرپور مظاہرہ کیا ہے - اب انہیں ذرا سویلین صدر کی حیثیت سے بھی اپنے ان اوصاف کا مظاہرہ کرنا چاہیئے - اپنی وردی اتار دیں - ساری فوج کو بیرکوں میں واپس بھیجیں - تمام فوجی عدالتیں ختم کریں اور کل کا کل سول نظام ہو اور وہ ایک سول صدر کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام دیں - اور میری رائے ہے کہ جو بھی معقول توازن صدر اور وزیر اعظم کے اختیارات کے مابین وہ تجویز کریں گے - اُسے موجودہ اسمبلی بھی خوش دلی کے ساتھ قبول کریگی اور عوام بھی قبول کریں گے - اس لئے کہ ۱۹۷۳ء کے متفقہ دستور میں بعد میں صرف پارٹی کی اکثریت کے بل پر دستوری ترامیم کے ذریعے جو عدم توازن پیدا کیا گیا تھا اور جملہ اختیارات کا جس طرح وزیر اعظم کی ذات میں ارتکاز ہو گیا تھا اس کو دور کرنا صحیح اور درست ہے لیکن دستوری طور پر فوج کی مداخلت کا راستہ کھلا رکھنا کہ وہ ایک مستقل تلوار کی طرح اسمبلی کے سر پر لٹکی رہے کسی طرح بھی نہ عوام کے لئے قابل قبول ہوگا اور میری رائے ہے کہ جو اسمبلی اب منتخب ہو کر آئی ہے نہ اس کی اکثریت اس کو قبول کرے گی -

---

[1] ڈاکٹر صاحب نے یہ تقریر یکم مارچ ۸۵ء کو کی تھی - ۲ مارچ کو آرڈیننس کے ذریعے دستوری ترامیم کے نفاذ کا صدر صاحب کی طرف سے اعلان ہو گیا - اس کے بعد سے روزانہ ہی ان ترمیمات میں بھی ترمیم کا سلسلہ جاری ہے لہذا اس مسئلہ پر ڈاکٹر صاحب کے اظہار خیال کے اسی حصہ پر اکتفا کیا جاتا ہے (ج - س)

ٹینٹ اور ترپال

بنانے کا
ممتاز ادارہ

ایچ نظام دین
اینڈ سنز

مرکزی دفتر

محمد بن قاسم روڈ۔ کراچی

اِسلامی انقلاب
کے لئے
التزامِ جماعت اور لزومِ بیعت

محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہٗ نے محاضراتِ قرآنی منعقدہ ۲۵ مارچ ۸۴ء زیرِ صدارت مولانا سعید احمد اکبر آبادی دامت فیوضہ کی پہلی نشست میں 'جہاد بالقرآن' کے موضوع پر تقریر فرمائی تھی۔ بعدہٗ محاضرات کی تیسری نشست میں مندرجہ بالا موضوع پر جو ایک اعتبار سے 'جہاد بالقرآن' ہی کا تتمہ و تکملہ ہے خطاب ارشاد فرمایا تھا۔ 'جہاد بالقرآن' والا خطاب میثاق اگست و ستمبر ۸۴ء میں شائع ہو چکا ہے اور اب وہ دو مزید خطابات کے ساتھ کتابی شکل میں شائع ہو رہا ہے۔ انشاء اللہ یہ مضمون بھی جلد کتابی شکل میں شائع ہو جائے گا۔ اسے 'تنظیمِ اسلامی' کے دس سالہ اجتماع کے انعقاد کے پیشِ نظر میثاق میں شامل کیا جا رہا ہے۔ (ج۔ ر)

الحمد للّٰہ وکفٰی والصلوٰۃ والسلام علٰی عبادہِ الذین اصطفٰی خصوصًا علٰی افضلھم خاتم النبیین محمدٍ الامین وعلٰی اٰلہ وصحبہ اجمعین

امّا بعد۔ قالَ اللّٰہ تعالٰی وسبحانہ فی القراٰنِ المجید فی سُورۃِ التوبۃ:

اعوذ باللّٰہِ من الشیطٰن الرجیم ۔ بسمِ اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ ؕ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَیْہِ حَقًّا فِی التَّوْرٰىۃِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰی بِعَھْدِہٖ مِنَ اللّٰہِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِکُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِہٖ ؕ وَذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝ اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰکِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاھُوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰہِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝

صدق اللّٰہ العظیم!

محترم صدرِ مجلس، علمائے کرام، معزز حضرات اور محترم خواتین

میں نے پرسوں 'جہاد بالقرآن' کے موضوع پر اظہارِ خیال کے آخر میں عرض کر دیا تھا کہ مجھے آج بھی آپ حضرات کی سمع خراشی کرنی ہے۔ اگرچہ میں نے کل عرض کر دیا تھا کہ آج کی نشست میں پہلی تقریر صدرِ اجلاس محترم مولانا سعید احمد اکبر آبادی مدظلہٗ کی ہوگی، جس کا عنوان ہے "مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم — سیرت و شخصیت — علمی کارنامے — اور شیخ الہندؒ کا ان سے خصوصی تعلق خاطر"[1] لیکن چونکہ میری آج کی گفتگو مولانا موصوف کی تقریر سے کسی حد تک متعلق ہے۔ لہٰذا میں صرف اس تبدیلی کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ اس کے فوراً بعد صدرِ مکرم کا خطاب ہوگا۔

قرآن مجید کے مطالعہ سے ایک لطیف حقیقت جو سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ بندۂ مومن کی شخصیت کے تین رُخ ہیں۔ جیسے ہمارا تصورِ مکان ہے (THREE DIMENSIONAL CONCEPT OF SPACE) ویسے ہی بندۂ مومن کی شخصیت کے بھی تین ابعاد (DIMENSIONS) ہیں۔ تین جوانب و اطراف ہیں۔ جن میں سے دو کا تعلق ظاہر سے ہے اور اس پہلو سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک تصویر کے دو رُخ ہیں۔ تیسرے کا تعلق باطن سے ہے۔ مطالعۂ قرآن حکیم کا میں نے جو منتخب نصاب مرتب کیا ہے جو مرکزی انجمن خدام القرآن کی دعوت اور تنظیم اسلامی کی تحریک کی جڑ اور بنیاد ہے، اس کے تیسرے حصے میں ایمانیات کے مباحث میں قرآن حکیم کے دو مقامات سے میں نے ان دو ظاہری رُخوں کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ دونوں مقامات ایک دوسرے کے لئے توضیحی یعنی (COMPLIMENTARY) نوعیت کے ہیں۔ دونوں مل کر ایک حقیقت کی تکمیل کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں ایک طرف سورۃ نور میں حقیقتِ ایمان کو ایک نہایت بلیغ اور نہایت فصیح تمثیل کے ذریعہ سے بیان کیا گیا۔ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ پھر جن لوگوں کے قلوب اس نور سے منور ہو جاتے ہیں، ان کی شخصیت کی جھلک ان الفاظِ مبارکہ میں دکھا دی گئی: فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْکَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ ۙ یُسَبِّحُ لَهٗ فِیْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۙ۝

---

[1] یہ تقریر ماہنامہ حکمت قرآن کے اگست ۹۴ء کے شمارے میں شائع ہو چکی ہے (مرتب)

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَ اِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَ الْاَبْصَارُ ۝ اب یہ نقشہ ہے کہ ان کی طبیعت کا میلان کیا ہے؟ اور ان کے دل کو سکون میسر آتا ہے تو کہاں آتا ہے؟ ان گھروں میں جو اللہ کے ذکر کے لئے مخصوص ہیں۔ جیسا کہ حضورؐ کی ایک حدیث میں آتا ہے: وَرَجُلٌ قَلْبُهٗ مُعَلَّقٌ بِالْمَسَاجِدِ ۔ "وہ شخص جس کا دل تعلق مسجدوں سے ہے" وہ صبح و شام اس میں اللہ کا ذکر کرتے ہیں، تسبیح کرتے ہیں، اگرچہ وہ دنیاوی کاروبار میں بھی منہمک رہتے ہیں، معاش کی ذمہ داریاں بھی ادا کر رہے ہیں، لیکن رِجَالٌ "وہ جواں مرد کہ ان کو کوئی کاروبارِ دنیوی، کوئی لین دین، کوئی خرید و فروخت، کوئی مصروفیت اللہ کے ذکر، اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ سے باز نہیں رکھتی۔ وہ خوف رکھتے ہیں اس دن سے یعنی قیامت کا جس میں اُلٹے جائیں گے دل اور آنکھیں"۔۔۔ اب یہ ایک نقشہ ہے۔ ایک رُخ ہے۔ اطاعت، عبادت، ذکر، ان چیزوں کو جمع کر لیجئے تو بندۂ مومن کی سیرت اور شخصیت کا ایک رُخ بن گیا۔

سورۂ آلِ عمران کے آخری رکوع میں مومنین صادقین کی جو عظیم دعائیں آئی ہیں۔ ان دعاؤں کے بعد، ان دعاؤں کی قبولیت کے طور پر جو الفاظِ مبارکہ وارد ہوئے ہیں۔ وہ میرے موضوع سے متعلق ہیں اور ان ہی میں ایک بندۂ مومن کی سیرت و شخصیت کا دوسرا رُخ سامنے آتا ہے۔ ارشاد فرمایا گیا: فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَ قٰتَلُوْا وَ قُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَ لَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ۝ "جواب میں ان کے رب نے فرمایا: میں تو تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع کرنے والا نہیں ہوں، خواہ وہ مرد ہو خواہ عورت، تم ایک دوسرے کے ہم جنس ہو۔ تو جن لوگوں نے میری خاطر ہجرت کی، جو اپنے گھروں سے نکالے گئے، جو میری راہ میں ستائے گئے اور میرے لئے لڑے، قتل بھی کیا اور مقتول بھی ہوئے میں لازماً ان کی سب خطائیں معاف کر دوں گا اور لازماً ان کو ایسے باغات میں داخل کروں گا جن کے دامن میں ندیاں بہتی

ہونگیں۔ یہ اجر ہے ان کا اللہ کے پاس اور بہترین جزا تو اللہ ہی کے پاس ہے "۔ یہ دوسرا رُخ ہے۔ ہجرت، مصائب، صبر و مصابرت، جہاد اور قتال ــــ سورہ آل عمران کی آخری آیت میں امر کے صیغے میں صبر و مصابرت اور باطل کے مقابلے میں پامردی دکھانے، حق کا بول بالا کرنے کے لئے کمربستہ رہنے کا ذکر فرمایا گیا ہے : یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ــــ یہ دوسرے رُخ کی تکمیل ہے۔

اصل میں یہ دونوں رُخ جمع ہوں تو وہ بات بنتی ہے جس کی رپورٹ دی تھی ایران کے سپہ سالار رستم کے ان جاسوسوں نے جن کو اس تحقیق کے لئے بھیجا گیا تھا کہ بے سروساماں اور لوٹ مار کی خوگر اس عرب قوم کی کایا پلٹ اور قلب ماہیت کے اسباب کیا ہیں ؛ آخر ان مٹھی بھر مسلمانوں کی فوج میں یہ عزم و حوصلہ کیسے پیدا ہوا کہ وہ ایران جیسی وقت کی ایک عظیم ترین قوّت سے ٹکرا رہے ہیں اور اسے پاش پاش کر رہے ہیں ! اس رپورٹ کا یہ جملہ نہایت جامع اور حالات کی حقیقی تصویر کے طور پر تاریخ میں نقل ہوا ہے کہ یہ بڑے عجیب وغریب قسم کے لوگ ہیں : "ھُم رھبانٌ باللّیلِ وَفرسانٌ بالنّھار"۔ یہ رات کے راہب ہیں اور دن کے شاہسوار ہیں ان کی راتیں اپنے اللہ کے حضور میں قیام وسجود، الحاح وگریہ اور دعاو مناجات میں بسر ہوتی ہیں، ان کی داڑھیاں اور ان کی سجدہ گاہیں خشیت الٰہی کے آنسوؤں سے تر ہوتی ہیں۔ اور دن کو یہی لوگ برق کی طرح میدانِ جنگ میں کوندتے ہیں، لپکتے، جھپٹتے ہیں. یہ اس راہ میں گردن کٹا دینے کو اپنے لئے باعثِ سعادت سمجھتے ہیں۔ جبکہ دنیا جنگ کے جن طور طریقوں سے آج تک واقف چلی آرہی ہے وہ تو یہ ہیں کہ فوجیوں کی راتیں شراب وکباب اور شباب سے کھیلنے میں بسر ہوتی ہیں۔ جس بستی یا اس کے آس پاس کسی فوج کا پڑاؤ ہو جائے کیا وہاں کی کسی جوان خاتون کی عصمت وعفت محفوظ رہ سکتی ہے! لیکن یہ وہ اعجوبہ، انوکھے اور نرالے اللہ کے سپاہی تھے کہ ان کی زندگی، ان کی شخصیت کے یہ دو رُخ اتنے ظاہر و نمایاں تھے کہ جو غیر مسلم ایرانی جاسوسوں کو بھی نظر آ گئے ــــ تیسرا رُخ ہے باطن کا ــــ وہ ہے اخلاص فی النّیۃ، وہ ہے اخلاص فی العبادہ، وہ ہے مقامِ شکر، وہ ہے مقامِ توکّل اور مقامِ رضا، جو میرے نزدیک ان سب مقاماتِ عالیہ سے بلند ترین مقام ہے۔ اس کے بارے میں میرا خیال ہے کہ علاّمہ اقبال کا یہ شعر حرفِ آخر ہے۔

جو وہ کہہ گئے ہیں ؎

بروں کشید زپیچاکہ ہست و بُود مرا　　　چہ عقدہ ہا کہ مقامِ رضا کشود مرا

انسان کو دنیا میں پیچ و تاب کی جو کیفیات لاحق رہتی ہیں، اُن سے نکال لینے والا درحقیقت مقامِ رضا ہے ـــــ ان باطنی لطائف سے متعلق ہمارے صوفیاء نے بڑی معرکۃ الآراء بحثیں کی ہیں۔

بہرحال ایک بندۂ مومن کی شخصیت کے یہ تین رُخ ہیں۔ ان میں سے ہر رُخ پر آج کی نشست میں گفتگو ہونے والی ہے۔ ظاہری دو رُخ تو میری آج کی گفتگو میں زیرِ بحث آ رہے ہیں۔ تصوف کے موضوع پر اسی نشست میں ان شاء اللہ العزیز دو مقالے پیش ہوں گے ایک مقالہ مولانا الطاف الرحمٰن صاحب بنوی جو قرآن اکیڈمی میں معلّم ہیں پیش فرمائیں گے ان کے مقالہ کا عنوان "حقیقتِ تصوّف" ہے۔ دوسرا مقالہ مولانا ڈاکٹر غلام محمد صاحب مدظلّہ، کا ہے۔ وہ اس سمندر کے شناور ہیں۔ مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفۂ مجاز ہیں۔ وہ جب گفتگو کریں گے تو وہ صرف 'قال' پر نہیں بلکہ 'حال' پر مبنی ہوگی؛ ان شاء اللہ العزیز۔ ان کے مقالہ کا انوکھا موضوع یہ ہے کہ "حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اور تصوّف"۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو زیادہ دلچسپی دین کے ظاہری احکام سے تھی۔ چند لوگوں نے حضرت عمرؓ کی شخصیت کو اپنے بہت سے غلط مقاصد کے لئے استعمال کیا ہے۔ چنانچہ تصوّف دشمنی کے لئے بھی اُسے (EXPLOIT) کیا گیا ہے اور حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ کے قولِ حق سے آج اُرِيْدَ بِهِ الْبَاطِل کا کام لیا جا رہا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ بہت ہی قیمتی بات ہوگی کہ تصوّف کے بارے میں حضرتِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت کا یہ پہلو بھی ہمارے سامنے آ جائے ـــــ اسی سے متعلق ایک موضوع ہے "فلسفۂ مذہب و اخلاق" اس پر قرآن اکیڈمی کے ڈائریکٹر برادرم ڈاکٹر ابصار احمد صاحب ایک مقالہ پیش کریں گے[1] یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ تینوں مقالے تصویر کے باطنی رُخ سے متعلق

---

[1] جن مقالات کا ذکر اس تقریر میں آیا ہے، ان کی اشاعت "ماہنامہ حکمتِ قرآن" لاہور میں شروع ہو چکی ہے۔ (مرتب)

ہیں۔ البتہ تصویر کے ظاہری دو رخوں کے متعلق مجھے بھی کچھ عرض کرنا ہے اور جس کے متعلق محترم صدرِ مجلس نے بھی کچھ ارشاد کرنا ہے یعنی دعوت رجوع الی القرآن اور جہاد۔ جس کا غلغلہ اس صدی میں سب سے پہلے مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے بلند کیا۔ میری مراد 'الہلال' اور 'البلاغ' کے ابوالکلام آزاد سے ہے۔ اس دور میں یہ دو اہم چیزیں نمایاں ہو کر سامنے آئیں جن کی طرف اس صدی میں نہایت جوش و خروش سے متوجہ کرنے والے مولانا آزاد مرحوم تھے۔ ایک قرآن اور دوسرا جہاد ـــــ ان ہی کے بارے میں مجھے آج مزید کچھ باتیں عرض کرنی ہیں۔

میں نے اپنی پہلی تقریر میں عرض کیا تھا[1] کہ میرے نزدیک جہاد اور انقلابی عمل دونوں مترادف الفاظ ہیں۔ صرف اس فرق کے ساتھ کہ جہاد فی سبیل اللہ قرآن کی اصطلاح ہے۔ بڑی اہم مقدس و محترم اصطلاح ہے جبکہ انقلابی عمل اس دور کی اصطلاح ہے ـــــ اس جہاد یا انقلابی عمل کے چند مراحل میں نے پرسوں بیان کئے تھے۔ آج ان کو قدرے تفصیل سے بیان کرنا اس وقت میرے پیشِ نظر ہے ـــــ وہ تین تین مراحل کے دو Sets ہیں۔ تین مراحل تمہیدی ہیں اور تین مراحل تکمیلی ـــــ تمہیدی مراحل سے کیا مراد ہے؟ یہ کہ جب ایک شخص کسی انقلابی دعوت کو لے کر اٹھتا ہے تو اس کا پہلا کام یہ ہے کہ وہ اس انقلابی فکر کو قبول کرنے والوں کی ایک جماعت پیدا کرے۔ اس جماعت کے لئے تین چیزیں لازمی ہیں۔ دعوت و تبلیغ، تنظیم اور تربیت۔ اس لئے کہ جماعت جب تک پختہ نہ ہو، منظم نہ ہو، انقلاب نہیں آسکتا۔ جزوی کام ہو سکتے ہیں۔ درس و تدریس کا کام، تعلیم و تعلم کا کام، تصنیف و تالیف کا کام، اصلاح و تزکیۂ نفس کا کام یہ سب ہو سکتے ہیں۔ لیکن انقلاب برپا کرنے کے لئے، دین کے غلبہ کے لئے یہ لازم ہے کہ ان تین مراحل کے ذریعہ سے ایک جماعت، ایک تنظیم وجود میں آجائے ـــــ تین مراحل جو تکمیلی ہیں وہ درحقیقت اس جماعت کے مخالف و باطل نظریات اور قوتوں کے ساتھ تصادم کے تین مرحلے ہیں۔ صبرِ محض (PASSIVE RESISTANCE) ـــ اقدام۔ (ACTIVE RESISTANCE) ـــ اور جنگ، قتال، مسلح تصادم: (ARMED CONFLICT)۔ اس موقع پر اس نکتہ پر غور فرمایئے کہ جہاں تک تین تکمیلی مراحل کا تعلق ہے وہ تمام انقلابی تحریکوں میں یکساں ہیں

---

[1] یہ تقریر 'جہاد بالقرآن' کے عنوان سے اگست اور ستمبر ۸۴ء کے میثاق میں شائع ہو چکی ہے (مرتب)

اصل فرق جو ایک انقلاب کو دوسرے انقلاب سے ممیز کرتا ہے، وہ پہلے دو مراحل ہیں۔ تمہیدی مراحل میں بھی ایک مرحلہ مشترک ہے۔ فرق ہے دعوت اور تربیت کے اصولوں کا ـــــ

دعوت کا فرق کیا ہے؛ ایک اشتراکی دعوت ہے اس کا رُخ ہے مادّی۔ مدنی صد مادّی اور الحاد و زندقہ کی طرف۔ جس میں اخلاق اور روحانیت کا سرے سے کوئی گزر نہیں ـــــ ایک انقلابِ محمدیؐ ہے جس کا رُخ ہے توحید کی طرف، آخرت کی طرف، اخلاق کی طرف، روحانیت کی طرف ـــ معلوم ہوا کہ یہاں سے راستے بالکل جُدا بلکہ قطعی مخالف سمتوں کی طرف ہو گئے ـــ پھر تربیت کا معاملہ بھی ہے۔ مادّی انقلاب کے لئے مادّی تربیت کافی ہے۔ جب وہ نہ اللہ کو مانیں نہ آخرت کو تو ان کے تزکیۂ نفس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ خواہ مخواہ ان کا اور اپنا وقت ضائع کرنا ہے۔ اس انقلاب کے جو (DIMENSIONS) ہیں یہ چیزیں اس کے بالکل خلاف ہیں۔ اس مادّی انقلاب کے ثمرات روحانی انقلاب کے ثمرات کے بالکل برعکس ہیں۔
لیکن انقلابِ محمدیؐ، انقلابِ اسلامی کے لئے یہ شرطِ لازم ہے۔ یہ نہ ہو تو کچھ بھی نہیں۔ ـــ تیسری چیز تنظیم وہاں بھی درکار ہے، یہاں بھی درکار ہے۔ نظم نہیں ہوگا: Discipline نہیں ہوگا تو جماعت کی شکل نہیں ہے بلکہ بھیڑ ہجوم ہے۔ اس فرق کو نمایاں کیا ہے علامہ اقبال نے اس شعر میں ؎

عیدِ آزاداں شکوہِ ملک و دیں   عیدِ محکوماں ہجومِ بے یقیں!!

تنظیم اور ہجوم میں تو زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اسی تنظیم کے لئے تو اقبالؔ نے یہ بھی کہا ہے ؎

نغمہ کجا و من کجا ساز و سخن بہانہ ایست
سوئے قطار می کشم ناقۂ بے زمام را

میری قوم منتشر ہے اس کو تنظیم اور نظم میں کس دینا ہی میری شاعری کا مقصود ہے، ورنہ میں کہاں اور شاعری کہاں! ـــــ بہرحال جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ تنظیم، صبرِ محض، اقدام اور مسلح تصادم، یہ ہر انقلابی عمل میں مشترک مراحل ہوتے ہیں ـــــ ہم جب سیرت کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہماری نگاہیں عموماً آخری دو تکمیلی مراحل پر جمی رہتی ہیں۔

اس مطالعہ میں دعوت، تربیت و تنظیم کے تمہیدی اور ابتدائی مراحل پر ہمارے یہاں بڑی حد تک غور و فکر کا فقدان ہے۔ اکبر الٰہ آبادی نے بہت خوبصورتی سے اس طرف توجہ دلائی ہے ؎

خدا کے کام دیکھو بعد کیا ہے اور کیا پہلے
نظر آتا ہے مجھ کو بدر سے غارِ حرا پہلے

وہ غارِ حرا کے مراقبے۔ پھر وہ قیام اللیل: قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا ۝ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا ۝ اَوْ زِدْ عَلَیْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ۝ پھر دعوت و تبلیغ۔ پھر دعوت پر لبیک کرنے والوں کی تنظیم۔ ساتھ ہی ان کا تزکیہ اور تعلیم و تربیت۔ پھر نظم اور Discipline کی سخت ترین مشق۔ بارہ سال تک حکم تھا کہ اپنی مدافعت میں بھی ہاتھ نہ اٹھاؤ۔ چاہے تمہیں دہکتے انگاروں پر کباب بنایا جا رہا ہو ـــــ اس سے زیادہ کسی نظم کی پابندی کا آپ تصور نہیں کر سکتے ـــــ یہ ہیں وہ مراحل جن سے گزر کر وہ جماعت بنی جو صحابۂ کرام کی جماعت ہے۔ جس کو قرآن مجید نے کہا ہے ـــــ کسی جماعت کا پختہ ہونا اصل میں یہ ہوتی ہے کلید کامیابی ـــ یہ خام رہ گئی تو ناکام ہو جائے گی۔ اس سیرت کی پختگی اور اس تربیت کے بغیر اگلے مراحل میں قدم رکھیں گے تو معلوم ہو گا جیسے ریت کا ایک گولہ ہے جسے اگر شیشہ پر بھی مار دیا جائے تو شیشہ قائم رہے گا ریت بکھر جائے گی۔ اسی بات کی تفہیم کے لئے میں نے پچھلی تقریر میں آپ کو اکبر الٰہ آبادی کا یہ شعر سنایا تھا ؎

تو خاک میں مل اور آگ میں جل جب خشت بنے تب کام چلے
ان خام دلوں کے عنصر پہ بنیاد نہ رکھ تعمیر نہ کر!

پھر اقبال نے اس مضمون کو کمال تک پہنچایا ہے ؎

خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تو
پختہ ہو جائے تو ہے شمشیرِ بے زنہار تو

اور اسی کو فارسی میں علامہ نے مزید بلندی اور رفعت پر پہنچا دیا ؎

با نشۂ درویشی در ساز و دمادم زن
چوں پختہ شوی خود را بر سلطنتِ جم زن

میں عرض کر چکا ہوں کہ یہ جو دو ابتدائی مراحل ہیں دعوت و تبلیغ اور تزکیہ و

تربیت، تو ان کے لئے جو تلوار ہے وہ قرآن مجید ہے۔ 'جہاد بالقرآن' کے عنوان سے میں پرسوں اس پر تفصیلی گفتگو کر چکا ہوں ۔ انقلاب محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں ہمیں نظر آتا ہے کہ دعوت و تبلیغ کا مرکز و محور بھی قرآن اور تزکیہ و تربیت کا مرکز و محور بھی قرآن ـــــ ان دونوں کو جمع کیجئے تو وہ جہاد بالقرآن ہے ۔

آج میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہیئت اجتماعیہ کے وجود میں آتے اور پھر اس کی جد و جہد کے لئے ہمیں کتاب و سنّت سے کیا رہنمائی حاصل ہوتی ہے! ـــــ میں نے پرسوں عرض کیا تھا آج اس کا اعادہ کر رہا ہوں کہ اولوالعزم من الرسل کے بارے میں قریباً اجماع ہے کہ وہ پانچ ہیں جن کا ذکر سورۂ شوریٰ کی آیت نمبر ۱۳ میں آیا ہے ۔ ان میں اوّلین ہیں حضرت نوح علیہ السّلام اور آخری جناب محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم۔ زمانی ترتیب کے درمیان میں حضرتِ ابراہیم، حضرتِ موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السّلام ـــ ان میں ایک عجیب نقشہ سامنے آتا ہے ۔ حضرت نوحؑ ساڑھے نو سو برس دعوت دیتے رہے، کوئی جمعیّت وجود میں نہیں آئی تو اگلا قدم اٹھانے کا سوال ہی نہیں ۔ معاشرہ اگر مر چکا ہے اور وہ اس دعوت کو جھٹلا چکا ہے ـــ تو اس کی کوئی ذمہ داری آنحضرتؑ پر نہیں ۔ ان کے ثبات اور استقامت کے لئے بس یہی کافی ہے کہ وہی دعوت آخری سانس تک دیتے رہے ۔ جیسا کہ نبی اکرمؐ سے فرمایا گیا تھا: فَلِذٰلِكَ فَادْعُ وَ اسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۔ اب اگر معاشرہ ساتھ دے گا تو بات آگے چلے گی، اعوان و انصار ملیں گے تو اگلا قدم اٹھے گا۔ نہیں ملے تو کوئی پروا نہیں ۔ اس میں حضرت نوحؑ کے لئے ناکامی کا کوئی سوال نہیں ۔ ناکامی معاشرے کی ہے، قوم کی ہے ۔ اس کے بالکل برعکس معاملہ ہے نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا کہ کُل بیس برس میں دعوت و تبلیغ بھی ہو گئی ۔ تنظیم بھی ہو گئی ۔ تزکیہ و تربیت بھی ہو گئی ۔ صبر محض کا مرحلہ بھی گزر گیا ۔ اقدام بھی ہو گیا ۔ مسلح تصادم بھی ہو گیا اور لکھو کھہا مربع میل رقبہ کے ملک پر اللہ کا دین بالفعل قائم ہو گیا ـــ دیکھئے کس قدر سمایاں فرق ہے ـــــ میرا خیال ہے کہ اسی فرق کو واضح کرنے کے لئے قرآن مجید میں حضرت نوح علیہ السّلام کی مدّتِ دعوت ساڑھے نو سو برس بیان کی گئی ہے ورنہ کسی اور رسول کی مدّتِ دعوت کا قرآن میں ذکر نہیں ہے۔

اسی سے اوّل و آخر کا فرق نہایت نمایاں ہوگیا ہے۔ واللہ اعلم ——— ان پانچ اولوالعزم من الرسل کے وسط میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معاملہ آتا ہے کہ جمعیت بہت بڑی تھی لیکن بودی۔ کچے لوگ، تھڑدِلے لوگ۔ جب نقدِ جاں ہتھیلی پر رکھ کر میدان قتال میں آنے کا وقت آیا تو کورا جواب دے دیا: فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ۔ "موسیٰ تم جاؤ اور تمہارا رب جائے اور کافروں سے قتال کرے ہم تو یہیں بیٹھے رہیں گے۔" نتیجہ یہ نکلا کہ وہ ارضِ مقدس جو انہیں دی جا چکی تھی اللہ تعالیٰ نے ان کی بزدلی کی پاداش میں چالیس برس تک وہ ان پر حرام کر دی۔ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ ——— انہی چالیس سالوں کے دوران حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کا انتقال ہوگیا۔ یہ دونوں حضرات والا قدر اپنی جسمانی آنکھوں سے اس حیاتِ دنیوی میں اپنی اس جد وجہد کو اس مقام پر پہنچتا نہ دیکھ سکے کہ اللہ کا دین بالفعل کسی خطۂ ارضی میں قائم اور نافذ ہو جائے۔

اب ہمارے لئے یہ مسئلہ انتہائی غور طلب ہے کہ وہ جمعیت کس بنیاد پر وجود میں آتی ہے۔ تنظیم کی بنیاد کیا ہے۔؟ اس ضمن میں آپ سے عرض کروں گا کہ سورۂ فتح کی آخری دو آیات پیشِ نظر رکھئے۔ ان میں جو آخری سے ماقبل کی آیت ہے اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا امتیازی ہدف متعین ہوا:

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝ ——— لیکن سوچئے کہ وہ کون سی جمعیت اور قوت تھی جن کے ساتھ مل کر آنحضورؐ نے اپنے اس امتیازی منصب رسالت کو ادا فرمایا اور جزیرہ نمائے عرب پر بیس سال کی مدت میں اللہ کا دین بالفعل قائم و نافذ فرما دیا ——— ! اگر بالفرض حضرت نوحؑ کی طرح جناب محمد بھی اکیلے رہ جاتے صلی اللہ علیہ وسلم۔ یا آں حضورؐ کے ساتھ بھی وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ والا معاملہ ہوتا یا بالفرض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جمعیت بھی حضرت موسیٰؑ کی قوم بنی اسرائیل کی طرح بودی، بزدل اور تھڑدلی ہوتی اور قتال سے انکار کر دیتی تو کیا اس عالم اسباب و علل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے اپنے امتیازی فرضِ منصبی اظہارِ دینِ

حق کو ادا فرما سکتے تھے ۔! سورہ فتح کی آخری آیت آتی ہے جس میں اس مبارک جمعیت کے اوصاف بیان فرمائے گئے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھی، آغاز ہوتا ہے : مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ۔۔۔ میں آج اس آیت کی طرف آپ حضرات کی خاص طور پر توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں ۔۔۔ میں نے تصویر کے جو دو رُخ آپ کے سامنے رکھے، وہ دونوں یہاں جمع ہیں ۔ ایک طرف ان کی یہ کیفیت : اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ ۔ ان کی جمعیت کا پہلا وصف، بمقابلۂ کفار، بمقابلۂ باطل ۔۔۔ اور کس شان کے ساتھ! ۔۔۔ کہ بیٹے کی تلوار باپ کے خلاف نیام سے باہر نکلنے کے لئے بے تاب ہے ۔ غزوۂ بدر میں عتبہ ابن ربیعہ اس کے ایک بیٹے اور ایک بھائی نے جب مبارزت طلب کی تھی تو مسلمانوں کے لشکر کی طرف سے پہلے تین انصاری مقابلہ کے لئے نکلے تھے ۔ اس پر عتبہ نے کہا کہ یہ ہماری توہین ہے ۔ ہمارے مدِ مقابل ہمارے برابر کے ہونے چاہئیں ۔ تو کون نکلے تھے ؟ عتبہ کے بیٹے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۔۔۔ رحمتِ عالم نے گوارا نہ کیا یہ بات دوسری ہے ۔ حضورؐ نے انہیں روک دیا ۔ پھر حضرت حمزہ، حضرت علی اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نکلے ۔ یہی معاملہ حضرت عبدالرحمٰن ابن ابی بکرؓ کے ساتھ ہوا ۔ وہ غزوۂ بدر تک ایمان نہیں لائے تھے اور کفار کے لشکر کے ساتھ جنگ میں شریک ہوئے تھے ۔ بعد میں جب وہ ایمان لے آئے تو انہوںؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ ابا جان ! بدر میں ایک موقع پر آپ میری تلوار کی زد میں آگئے تھے، لیکن میں نے آپ کو چھوڑ دیا ۔ میں نے آپ کا لحاظ کیا حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا، بیٹے تمہاری جنگ چونکہ باطل کے لئے تھی لہٰذا تمہارے لئے تو یہ خونی رشتہ بامعنی تھا ۔ خدا کی قسم اگر تم میری زد میں آگئے ہوتے تو میں تمہیں کبھی نہ چھوڑتا ۔ غزوۂ بدر کے مشرک قیدیوں کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مشورہ دیا کہ قیدیوں میں جو جس صحابی کا رشتہ دار ہو اس کو وہ صحابیؓ اپنے ہاتھ سے قتل کرے ۔ یہاں بھی رحمۃ للعلمین نے فدیہ لے کر چھوڑنے کا فیصلہ کیا بعد میں وحی نے حضرت عمرؓ کی رائے کی تائید کی ۔۔۔ یہ ہے اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ کی تصویر ۔۔۔ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ کا رُخ دیکھنا ہو تو اس مواخات میں دیکھ لیجئے

جو مدینۃ النبیؐ میں مہاجرین و انصار کے مابین ہوئی تھی۔ ایک انصاری صحابیؓ نے یہاں تک پیش کش کی تھی کہ ان کی دو بیویوں میں سے جو مہاجر بھائی کو پسند ہو، میں اس کو طلاق دے دوں گا۔ وہ اس سے نکاح کرلیں۔ جنگ یرموک میں زخمیوں کی جانب سے ایک مسلمان سپاہی نے آواز سنی کوئی زخمی پکار رہا تھا العطش! العطش، پانی پانی ـــ وہ پانی کا پیالہ لے کر دوڑ کر اس زخمی کے پاس پہنچے تو دوسری طرف پانی پانی کی پکار آئی۔ ان زخمی نے کہا پہلے میرے اس بھائی کو پانی پلاؤ ـــ وہ وہاں پہنچے تو تیسری طرف سے یہی صدا آئی۔ انہوں نے بھی اصرار کیا کہ پہلے اس کو پانی پلاؤ۔ وہاں پہنچے تو چوتھی طرف سے یہی پکار آئی۔ ان تیسرے صاحب کے اصرار پر چوتھے کے پاس پہنچے تو وہ اپنی جان، جان آفرین کے سپرد کر چکے تھے۔ یکے بعد دیگرے یہ تینوں کے پاس پہنچے تو یہ تینوں بھی اللہ کو پیارے ہو چکے تھے۔ یہ تھی قربانی۔ یہ تھا ایثار۔ یہ تھا رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ کا نقشہ ـــ اور یہ کامل عکاسی ہے: فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَ قٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا کی۔

اور جو دوسرا نقشہ ہے: فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ..... اِلٰی آخر الآیہ وہ آگے آرہا ہے: تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ز سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ط ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ـــ "تم جب انہیں دیکھو گے رکوع و سجود میں مشغول پاؤ گے۔ سجدوں کے اثرات ان کے چہروں پر ظاہر ہوں گے۔ وہ اللہ کے فضل اور اس تعالیٰ کی خوشنودی کی طلب میں مصروف ملیں گے۔ ان کی یہی صفت تورات میں بیان ہوئی ہے اور انجیل میں بھی" ـــ ان دو آیات کو ذہن میں رکھئے اور اب آگے آئیے تاکہ یہ سمجھا جا سکے کہ اس رشتہ یعنی مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ کو آپس میں جوڑنے والی شے کون سی ہے؟ قرآن مجید نے اس کے لئے جو لفظ استعمال کیا ہے، وہ بہت اہم ہے اور وہ ہے نصرت۔ سورۂ صف جو میرے نزدیک جہاد و قتال فی سبیل اللہ کے موضوع پر قرآن مجید کی جامع ترین سورت ہے۔ یہ اس موضوع پر قرآن مجید کا ذروۂ سنام ہے۔ Climax ہے۔ اس کا اس پر اختتام ہوتا ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْۤا اَنْصَارَ اللّٰهِ

كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ " اے لوگو جو ایمان لائے ہوئے ہو، اللہ کے مددگار بنو، جیسے کہ عیسیٰ ابن مریم نے حواریوں سے کہا تھا: کون ہے اللہ کی طرف (بلانے میں) میرا مددگار"۔ یہاں نوٹ کیجئے کہ نصرت کی دو نسبتیں آئی ہیں۔ دین اللہ کا ہے اس کے غلبے کے لئے تن من دھن لگاؤ گے تو یہ نصرت ہے اللہ کی ـــــ ہمایوں کو ہندوستان سے شیر شاہ سوری نے نکال باہر کیا تھا تو ایران کے بادشاہ طہماسپ کی فوجوں نے ہندوستان کی حکومت دوبارہ حاصل کرنے کیلئے ہمایوں کی مدد کی۔ اس سے بڑا محسن ہمایوں کا کون ہوگا! تو اللہ کو دیس نکالا دیا ہوا ہے ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ۔ اللہ کی تشریعی حکومت کا تختہ الٹا ہوا ہے، اب اس حکومت کو دوبارہ قائم کرنا ہے تو جو اس کام کے لئے خود کو وقف کردیں، لگادیں، کھپادیں، ان سے بڑھ کر اللہ کا مددگار اور کون ہوگا! ــ یہ نصرت اللہ کی ہے۔ لیکن عملاً یہ فرضِ منصبی ہوتا ہے رسول کا۔ لہٰذا جو یہ کام کرتے ہیں وہ رسول کی نصرت کرتے ہیں۔ نصرت کی یہ دو نسبتیں ہیں، ان کو اچھی طرح جان لیجئے۔ ان ہی دو نسبتوں کا بیان ہوا ہے۔ پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہلِ ایمان کے لئے مطالبہ آیا: كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ ــ "اللہ کے مددگار بنو"۔ آگے رسول کی طرف سے دعوت آئی: مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ــ "کون ہے میرا مددگار اللہ کے راستہ میں"۔ اسی بات کی تفہیم کے لئے سورہ حدید کی آیت نمبر ۲۵ کو دیکھئے فرمایا: لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ

یہاں بھی نصرت کی دو نسبتیں بیان ہوئیں: وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اللہ دیکھ لینا چاہتا ہے کہ کون ہیں اس کے وفادار بندے جو اللہ سے غیب میں ہونے کے باوجود اس تعالیٰ کی اور اس تعالیٰ کے رسولوں کی مدد کرتے ہیں۔ لوہے کی طاقت کو ہاتھوں میں لے کر میدان میں آتے ہیں"۔ رسول کی نصرت چونکہ اللہ کی نصرت یعنی اس کے دینؐ کے غلبے کے لئے جان و مال لگانا ہے۔ لہٰذا رسول کی نصرت پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت اور فوز و فلاح کی بشارت ہے جس کا ذکر سورہ اعراف کی آیت ۱۵۷ کے آخر میں بایں الفاظ مبارکہ وارد ہوا ـــــ : فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَ

نَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

"جو لوگ اس پر (اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر) ایمان لائیں اور انؐ کی توقیر و عزت کریں اور انؐ کی حمایت و نصرت کریں اور اس روشنی (یعنی قرآن مجید) کی پیروی اختیار کریں جو انؐ کے ساتھ نازل کی گئی ہے تو یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں"۔

آیت کے آخر میں حصر کا اسلوب ہے۔ معلوم ہوا کہ فوز و فلاح منحصر ہے ان چار کاموں پر۔ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان، انؐ کا احترام، دعوت و تبلیغ، شہادت علی الناس اور اظہار دینِ الحق علی الدین کُلّہٖ کی جدوجہد میں انؐ کی نصرت اور قرآن حکیم کا اتباع ـــــ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دین کے غلبے کے لئے نصرت اصلاً اللہ کی نصرت ہے لہٰذا سورۂ محمد میں اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو بشارت دیتا ہے کہ اگر تم اللہ کی اس کے دین کے غلبے کے لئے مدد کروگے تو وہ اہلِ ایمان کی مدد کرے گا اور باطل و طاغوتی قوتوں کے مقابلہ میں ان کے قدم مضبوطی سے جما دے گا: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْکُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْ ۝ ـــ حاصلِ گفتگو یہ ہے کہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗٓ میں پہلا نقطۂ ماسکہ، پہلی جوڑنے والی چیز نصرتِ رسول ہے علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ۔ لہٰذا یہ لفظِ نصرت بہت اہم ہے۔ اس کو نوٹ فرما لیجئے!

اس تعلق کو قائم کرنے کے لئے قرآن مجید نے جو دوسرا عنوان قائم کیا ہے، وہ ہے مبایعت۔ میں نے دانستہ لفظِ بیعت استعمال نہیں کیا اسے ذرا روکا ہے اس سے آپ لوگوں کو الرجی ہے۔ مبایعت ذرا ثقیل تو ہو گیا لیکن نیا لفظ ہے تو شاید آپ اس پر غور کرنے کے لئے تیار ہو جائیں ـــ یہ لفظ مبایعت بابِ مفاعلہ میں بیع سے بنا ہے۔ دو اشخاص کہہ لیں، دو فریق کہہ لیں، دو شخصیتیں کہہ لیں۔ ان کے مابین جو معاہدہ طے پا جائے۔ بیع و شراء تو یہ مبایعہ یا مبایعت ہے۔ قرآنِ حکیم میں سورۂ توبہ کی آیت ۱۱۱ میں بیع و شراء دونوں الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ اسی آیت کی تلاوت سے میں نے آج کی گفتگو کا آغاز کیا تھا ـــ قرآن مجید نے دین کی اس حقیقت کو متعدد مقامات پر "تجارت" کے لفظ سے واضح کیا ہے۔ اس لئے کہ اس کا مفہوم و تصوّر (CONCEPT) بڑا واضح ہے۔ ہر معمولی شخص

بھی جانتا ہے کہ تجارت کسے کہتے ہیں! تجارت کے لئے سرمایہ درکار ہوتا ہے۔ پونجی لگتی ہے خواہ کم ہو یا زیادہ۔ ساتھ ہی محنت لگتی ہے۔ ان دونوں کے اشتراک کا نام تجارت ہے۔ اس تجارت سے پیشِ نظر منفعت ہے۔ چنانچہ سورۂ صف کی یہ آیت ذہن میں لائیے! یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰی تِجَارَةٍ تُنْجِیْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ؕ "اے اہلِ ایمان میں تمہاری رہنمائی کروں، تمہیں بتاؤں ایک تجارت، ایک سوداگری جو تم کو دردناک عذاب سے بچالے چھٹکارا دلادے۔؟ ایمان پختہ رکھو اللہ پر اور اس کے رسول پر، اور محنت کرو، کشمکش کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے۔" یہاں لفظِ تجارت بہت جامع ہے ـــــ اسی تجارت کی نہایت مہتم بالشّان اسلوب سے شرح ہے جو سورہ توبہ کی اس آیتِ مبارکہ میں آئی ہے: اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ "اللہ نے اہلِ ایمان سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لئے ہیں جنّت کے عوض"۔ اس سودے کا ظہور کس طور پر ہو رہا ہے؟ اسے آگے بیان کیا گیا ہے۔ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ۔ "وہ اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہیں، قتل کرتے ہیں اور قتل ہوتے بھی ہیں"۔ آگے بڑا لطیف نکتہ آرہا ہے، غور کیجئے گا۔ چونکہ یہ سودا نقد نہیں ہے بلکہ ادھار ہے۔ جان و مال تو یہاں دینا ہوگا، جنّت وہاں آخرت میں ملے گی۔ ادھار سودا کرکے آدمی کے دل میں وسوسے آتے ہیں کہ قیمت ملے کہ نہ ملے۔ اس لئے اس آیت میں آگے کس قدر تاکید آرہی ہے فرمایا: وَعْدًا عَلَیْهِ حَقًّا فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰی بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ۔ کسی وسوسے کو قریب پھٹکنے نہ دو۔ یہ تو اللہ کا وعدہ ہے اس کے ذمّہ حق کے ساتھ۔ تین مرتبہ اس کی توثیق ہوئی ہے۔ تین مرتبہ کے وعدے کے بعد بھی کوئی شک باقی رہ سکتا ہے! تورات میں یہ وعدہ آچکا، انجیل میں یہ وعدہ آچکا، قرآن میں یہ وعدہ آچکا اور سوچو تو سہی کہ اللہ سے زیادہ اپنے وعدے کا وفا کرنے والا کون ہے! لہٰذا فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِكُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِهٖ ؕ "پس خوشیاں مناؤ اس

اس بیع پر جو تم نے کی ہے "۔ یہاں " بَایَعْتُمْ " باب مفاعلہ ہے ۔ دو فریقوں کے مابین خرید و فروخت ۔ لین دین ـــــ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ " اور یہی اصل اور بڑی کامیابی ہے "۔

اب ایک اہم بات پر غور کیجئے ۔ یہاں بیع تو اصلاً ہے اللہ اور بندے کے درمیان ۔ لیکن اللہ نہ کبھی زمین پر اترا اور نہ کبھی اترے گا کہ وہ یہ خریداری، یہ بیع و شراء خود کرے ۔ لہٰذا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے نمائندے کی حیثیت سے سامنے ہیں ۔ بیع کس سے ہے ! اللہ سے ۔ اور بیعت کس سے ہے ! محمد رسول اللہ سے ۔ صلی اللہ علیہ وسلم ـــــ اس حقیقت کو کس قدر خوبصورتی سے اس آیت میں واضح کیا ہے جو میں ابھی آپ کو سنانے والا ہوں ۔ اس آیت کو اس اعتبار سے مزید اہم سمجھئے کہ یہ اسی سورہ فتح میں ہے جس میں فرمایا گیا تھا : مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ یہ (LINK) کیا ہے ! نقطۂ ماسکہ کیا ہے ! وہ رشتہ کیا ہے جس نے ان کو آپس میں جوڑ دیا ہے ! ـــــ آپ کو معلوم ہے ' اسی سورۂ فتح میں بیعتِ رضوان مذکور ہے لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ ـــــ اس سے قبل آیت نمبر ۱۰ میں اس بیعت کی حقیقت کو ایسے حسین و عجیب اسلوب سے بیان کیا گیا ہے کہ اگر انسان واقعتاً غور کرے تو عظمت کے احساس سے سر خود بخود جھکتا ہے ۔ فرمایا :

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ۭ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ

" اے نبیؐ ! جو لوگ آپؐ سے بیعت کر رہے ہیں حقیقت میں وہ اللہ سے بیعت کر رہے ہیں ۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ پر ہے "۔

چونکہ ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت ہوتی ہے ۔ البتہ خواتین سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کبھی بیعت لی ہے اس میں کبھی مصافحہ نہیں ہوا : لَا اُصَافِحُ النِّسَآءَ ۔ بعض خواتین نے ہاتھ بڑھائے بھی تھے ـــــ ہمارے ملک کی جو خاتونِ اوّل ہیں ' اخباری اطلاعات کے مطابق انہوں نے یہی (PLEA) لی بھی جب خواتین کی محفلِ میلاد میں کسی بچی نے اعتراض کر دیا تھا کہ ہمارے ملک کے

خاتونِ اوّل نے ایک غیر محرم مرد سے ہاتھ ملایا ! تو انہوں نے یہی عذر پیش کیا تھا کہ اس نے ہاتھ بڑھا دیا تھا، میں کیا کرتی ! میں اسے شرمندہ کیسے کرتی !۔۔۔ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امّت کے تمام مردوں اور عورتوں کے لئے بمنزلہ باپ ہیں اور خواتین کے ہاتھ بڑھ چکے ہیں اور وہ کہہ رہی ہیں اَلَا تُصَافِحُنَا " کیا آپ ہم سے مصافحہ نہیں فرمائیں گے ؟ آپؐ نے ہم سے بیعت تو لی نہیں ؟" اس لئے کہ بیعت کا جو معروف طریقہ ہے ہاتھ میں ہاتھ دے کر قول و قرار کرنا اس کے مطابق تو عمل ہوا نہیں۔ حضورؐ کا جواب تھا : لَا اُصَافِحُ النِّسَآءَ ـــــ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خواتین سے بیعت لینے کے لئے حضورؐ کا طریقہ یہ تھا کہ یا تو کپڑا ہوتا تھا۔ ایک سرا حضورؐ کے ہاتھ میں ہے اور ایک سرا اس خاتون کے ہاتھ میں۔ یا ایک طشت میں پانی ڈال کر ایک طرف نبی اکرمؐ نے اپنا دست مبارک ڈبو دیا اور دوسری طرف خاتون نے ـــ ہاتھ مس تو نہیں ہو رہا ہے لیکن اس میں کچھ نہ کچھ معاملہ ضرور ہے۔ اب یہ تو اہلِ تصوّف جانیں کہ کونسا روحانی اور برقی عمل ـــــ ہو رہا ہے۔ ہم کو تو ظاہر نظر آتا ہے۔ ظاہر کی پیروی کرنے کو ہم اتباعِ رسول کا لازمی تقاضا سمجھتے ہیں۔ اس میں یقیناً کوئی باطنی و روحانی چاشنی بھی ہے وہ نَافِلَۃً لَّکَ کے درجے میں ہے۔ بہر حال اس میں کوئی نہ کوئی حکمت ہے ضرور۔ ورنہ اس تکلّف کی ضرورت کیا ہے ؟ فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمۃ ہمارے لئے زیادہ سلامتی اور عافیت اسی میں ہے کہ ظاہر پر عمل کیا جائے ؎

بمصطفٰے برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است

یہ باتیں میں آج کی گفتگو میں اس لئے عرض کر رہا ہوں کہ آج چند لوگوں نے مجھ سے عجیب و غریب باتیں کہی ہیں کہ ہم ایک دینی جماعت کے رکن ہیں۔ اس کا ایک 'دستور' ہے۔ اس کا ایک 'امیر' ہے۔ چونکہ ہم دستور کو تسلیم کر کے جماعت میں شامل ہوئے ہیں لہٰذا بیعت ہوگئی۔ اب کیا ضروری ہے کہ ہاتھ میں ہاتھ دے کر ہی بیعت کی جائے ـــــ میں نے ان سے کہا کہ یہی بات آج کا صوفی کہتا ہے کہ نماز کا مقصد کیا ہے ! اللہ سے لَو لگانا ـــ میں نے اللہ سے لَو لگائی

ہوتی ہے ! مجھے نماز کی کیا ضرورت ہے ! ــــ دین کے ظاہر کے لئے جب آپ اس حدیث کا حوالہ دیتے ہیں اور بالکل صحیح دیتے ہیں کہ صَلّوا کما رأیتمونی اُصلی ــــ اور اس میں ذرا سے فرق پر آپ کے یہاں ہنگامے ہیں۔ من دیگرم تو دیگری والا معاملہ ہے۔ اور اس بیعت کے معاملہ میں ظاہر کو اس طرح اٹھا کر پھینک دیں، اس کی کوئی قدر و قیمت نہ رہے ــــ یہ درحقیقت ہمارے تضادات ہیں ــــ بہرحال میں نے برسبیلِ تذکرہ یہ باتیں کہی ہیں۔

گفتگو یہ ہو رہی تھی کہ ایک بندۂ مومن کی اصلاً بیع ہوتی ہے اللہ کے ساتھ لیکن اس عالمِ واقعہ میں بیعت اللہ کے رسولؐ کے ہاتھ پر ہوتی ہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نائبین کے ہاتھ پر ہوتی ہے ــــ پھر جو بھی انؐ کے نقشِ قدم پر چلیں گے ان کے ہاتھ پر ہو گی۔ یہ بیعت کی بنیاد ہے جو ان کو جوڑتی ہے۔ ایک قوت بناتی ہے۔ ان کو متحد کرتی ہے اور ایک جمعیت کی شکل دیتی ہے اور جمعیت بھی کیسی! اس بیعت کے بعد لامحالہ وہ ڈسپلن وجود میں آئے گا جس کی اس عالمِ واقعہ میں صرف ایک ہی مثال ہے جس کو (ARMY DISCIPLINE) کہتے ہیں۔ فوج کا نظم و ضبط ــ بلا چون و چرا حکم کی بجا آوری ــ سمع و طاعت۔ آپ نے کبھی غور کیا کہ سمع و طاعت کیوں کہا گیا! بادی النظر میں یہاں 'سمع' کا لفظ زائد ہے، بیکار ہے۔ آخر اطاعت ہو گی تو کوئی حکم سُن کر ہی تو ہو گی۔ پھر کس لئے یہ 'سمع و طاعت'۔! اور قرآن مجید کی یہ اصطلاح ہے : وَاسْمَعُوْا وَاَطِیْعُوْا ــ اور اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا اور وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَ اِلَیْكَ الْمَصِیْرُ ــــ غور کیجئے کہ سمع و طاعت کا جوڑا کیوں آیا۔! ایک اطاعت وہ ہوتی ہے جو حکم کی غایت اور اس کے مقصد کو سمجھنے کے بعد واجب ہوتی ہے اور ایک اطاعت وہ ہے جو مجرّد سننے پر واجب ہوتی ہے۔ یہ فوج کی اطاعت ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ فوج میں اگر ماتحت اپنے بالاتر سے پوچھنے لگے کہ "جناب اس حکم کی غایت کیا ہے؟ پہلے مجھے سمجھائیے" اگر معاملہ یہ ہو تو ظاہر بات ہے کہ فوج کا ڈسپلن تو ختم ہوا۔ اس کو انگریزی کی مشہور نظم چارج آف لائٹ بریگیڈ میں دو جملوں میں بڑی خوبصورتی

سے ادا کیا گیا ہے ۔

THEIR'S NOT TO REASON WHY
THEIR'S BUT TO DO & DIE

فرق صرف یہ ہے کہ رسول کی اطاعت مطلق ہے ۔ اس لئے کہ رسول ہی تو درحقیقت اللہ کا نمائندہ ہے ۔ اس کے ساتھ کوئی شرط نہیں ہے بلکہ اس کے لئے تو فرمانِ ربانی یہ ہے : وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۔ البتہ رسول کے بعد کسی کی اطاعت مطلق نہیں ہے ، مقید ہے لِلْكِتٰبِ وَالسُّنَّةِ سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح احکام کا جو دائرہ ہے اس کے اندر اندر ہے ۔ اس کے باہر ہے تو لاسمع ولاطاعۃ ہے ۔ معروف میں اطاعت لازم ہے ۔ واجب ہے ۔ فرض ہے ۔ پھر یہ کہ جہاں تک اطاعت کی کیفیت کا تعلق ہے تو وہی سمع وطاعت درکار ہے ۔ ثابت کر دیجئے کہ یہ حکم کسی نص کے خلاف ہے تو بات دوسری ہے ۔ ثابت نہ کر سکیں تو ماننا پڑے گا ۔ سمجھ میں آئے یا نہ آئے اچھا لگے یا نہ لگے ۔ انشراح صدر ہو یا نہ ہو ۔

میں اپنی اس بات کی دلیل کے طور پر آپ کو چند احادیث سنانا چاہتا ہوں ۔ ان میں سے پہلی حدیث متفق علیہ ہے ۔ کاش وہ لوگ جن میں دین کے ظاہر کے متعلق کوئی اختلاف نہیں ہے اور جو تسلیم کرتے ہیں کہ سنتِ رسول واجب الاطاعت ہے ۔ میں یہاں حنفی ، اہلِ حدیث اور بریلوی کے چکر میں نہیں پڑتا ۔ اتباع اور اطاعتِ رسول کی فرضیت سے ان میں سے کسی کو بھی اختلاف نہیں ہے ۔ جو اختلافات ہیں ، ان کی نوعیت یہ ہے کہ آیا یہ سنت ثابتہ ہے یا نہیں ۔ جو روایت آرہی ہے وہ کس نوع اور کس درجے کی ہے ۔ سند کے اعتبار سے اس کا مقام کیا ہے ! ضعیف ہے یا قوی ہے ! مرسل ہے کہ مرفوع ہے ۔ شاذ ہے کہ مشہور ہے ۔ اس سے زیادہ مضبوط کوئی اور روایت ہے ۔ یہ بحثیں ہیں اور ہوں گی ۔ اصولاً کوئی اختلاف نہیں ہے ـــــ پھر آج یہاں جو حضرات تشریف لائے ہیں ان میں سے کون نہیں جانتا ہے کہ جو روایت متفق علیہ ہو ۔ جس کی صحت پر ائمہ حدیث میں سے چوٹی کے دو محدثین امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ کا اتفاق ہو ، احادیث میں اس

سے بلند کسی حدیث کے پختہ ہونے کا کوئی درجہ نہیں ہے۔ یقینی ہونے کے اعتبار سے ایسی حدیث تقریباً قرآن کے ہم وزن مانی جاتی ہے ـــــ اب میں آپ کو جو حدیث سنانے والا ہوں اسے امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے روایت کیا ہے۔ یہ متفق علیہ روایت ہے ـــ میں آپ سے درخواست کروں گا کہ اس حدیث کے ایک ایک لفظ کو توجہ اور غور سے سماعت فرمائیے۔ خاص طور پر ان الفاظ پر جو اکثر جوڑوں کی صورت میں آئے ہیں۔

عن عبادة بن الصامت قال بايعنا رسولُ اللهِ صلّى اللهُ عليه وسلم على السّمع والطاعة في العُسرِ واليسر والمنشطِ والمكرهِ وعلى اَثَرَةٍ علينا وعلى اَن لا نُنَازِعَ الامرَ اَهلَهُ وعلى اَنْ نقول بالحقّ اَينما كُنّا لا نخاف في الله لومة لائم

حضرت عبادہ ابن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ "ہم نے بیعت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے"۔ کس بات کی بیعت کی! "عَلَی السَّمْعِ وَالطَّاعَۃِ"۔ اس پر کہ سنیں گے اور اطاعت کریں گے ـــ کن کن حالات میں! "فِی الْعُسْرِ وَالْیُسْرِ" چاہے تنگی ہو یا آسانی، مشکل ہو یا آسان ـــ وَالْمَنْشَطِ وَالْمَکْرَہِ" منشط نشاط سے بنا ہے۔ اگر کسی حکم کا آپ کی طبیعت سے موافقت ہے۔ آپ کی رائے بھی اس کے حق میں ہے تو آپ خوش دلی، انشراح صدر اور نشاطِ طبع کے ساتھ اس حکم پر عمل کرتے ہیں۔ یہ منشط ہے ـــــ مکرہ بنا ہے اکراہ سے۔ اگر آپ کی ذاتی رائے کچھ اور ہے، آپ کا ذاتی میلان و رجحان کچھ اور ہے۔ لیکن اس کے باوجود آپ اسے مان رہے ہیں۔ تو یہ ہے اکراہ کے ساتھ، ناگواری کے ساتھ، اپنی طبیعت پر جبر کے ساتھ ماننا۔ تو حکم ہر حال میں ماننا ہے۔ چاہے طبیعت میں انشراح و انبساط ہو چاہے طبیعت کو مجبور کر کے ماننا پڑے۔ یہاں تک تو جوڑے کی شکل میں بیعت کے لوازم کا ذکر ہوا۔ اب آگے علیحدہ علیحدہ امور آ رہے ہیں جن میں سے ہر ایک اہم ہے۔ "وَعَلٰی اَثَرَۃٍ عَلَیْنَا" اور اس پر بیعت کی کہ چاہے دوسروں کو ہم پر ترجیح دی جائے۔ ہم اس کی بھی اطاعت کریں گے ـــ جماعتی

زندگی کا جو سب سے بڑا فتنہ ہوتا ہے اس کا یہاں سدِ باب کر دیا گیا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ جس شخص کے ہاتھ پر بیعت ہو رہی ہے، وہ ہر آن تو موجود نہیں رہ سکتا۔ کسی مہم پر وہ کسی کو اپنا نائب بنا کر بھیجے گا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ اَطَاعَنِیْ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ عَصَی اللّٰہَ وَمَنْ اَطَاعَ اَمِیْرِیْ فَقَدْ اَطَاعَنِیْ وَمَنْ عَصٰی اَمِیْرِیْ فَقَدْ عَصَانِیْ ــــ بالکل معقول، مربوط اور منطقی بات ہے۔ "جس نے میری اطاعت کی، پس اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی"۔ دوسری امارتوں کا جو نصب ہوگا مثلاً امیرِ حبش ہے۔ حضورؐ کہیں کوئی لشکر بھیج رہے ہیں تو اس کا کسی کو امیر یا سپہ سالار مقرر فرما رہے ہیں ــــ یا حضورؐ مدینہ سے باہر کسی مہم پر بنفسِ نفیس لشکر لے کر تشریف لے جا رہے ہیں تو مدینہ میں کسی کو اپنا نائب مقرر فرمایا ہے۔ تو ایسے مواقع پر فطری طور پر کسی کے دل میں یہ بات آ سکتی ہے کہ میں زیادہ حقدار ہوں۔ میں زیادہ باصلاحیت ہوں۔ میری (STANDING) زیادہ ہے۔ میں بہت پرانا ہوں۔ مجھ پر دوسروں کو ترجیح کیوں دے دی گئی۔! آپ کو معلوم ہے کہ موتہ کی طرف جو لشکر بھیجا گیا تھا، اس کا امیر حضرت زیدؓ بن حارثہ کو مقرر کیا گیا تھا تو اس پر چہ میگوئیاں ہوئیں۔ اس معاملہ کو آپؐ نے اپنی عمر شریف کے آخری دور میں ایک لشکر کا امیر حضرت اسامہؓ بن زیدؓ کو بنا کر منطقی انتہا تک پہنچا دیا۔ جس میں حضرتِ ابوبکرؓ اور حضرتِ عمرؓ جیسے جلیل القدر آپؐ کے صحابہ بھی شامل تھے۔ یہ بھی دوسرے تمام صحابہ کرامؓ کیطرح مامور تھے اور حضرتِ اسامہؓ امیر۔ یہ اس لئے کہ معلوم ہو جائے کہ میری تربیت کس حد تک مؤثر ہو چکی ہے ــــ وَعَلٰی اَثَرَۃٍ عَلَیْنَا۔ شعوری طور پر یہ بات جانتے ہوئے بیعت کرو کہ ہم ہر حال میں اطاعت کریں گے۔ خواہ ہم محسوس کریں کہ دوسروں کو ہم پر ترجیح دی جا رہی ہے تاکہ اس فتنے کی ابتدا ہی میں جڑ کٹ جائے اور اس مرحلہ پر آ کر کوئی انتشار برپا نہ ہو ــــ "وَعَلٰی اَنْ لَا نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَھْلَہٗ" اور اس پر بیعت کی کہ جو لوگ اصحابِ امر ہوں گے ہم ان سے کبھی جھگڑا نہیں کریں گے۔ اس میں ایک استثناء ہے جس کا ایک

دوسری روایت میں اس مقام پر ان الفاظ میں ذکر ہے۔ وَعَلٰی اَنْ لَا نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَهْلَهٗ اِلَّا اَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَكُمْ مِنَ اللّٰهِ فِيْهِ بُرْهَانٌ۔ الّا آنکہ تم کھلا کھلا کفر دیکھو جس کے لئے تمہارے پاس اللہ کی طرف سے واضح و روشن دلیل ہو۔ اس حال میں سمع و طاعت نہیں ہے۔ اگر یہ نہیں ہے تو لَا نُنَازِعَ الْاَمْرَ ــــ یہی بات عام ہدایت و رہنمائی کے لئے اس حدیث میں وارد ہوئی ہے کہ: لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ ــــ حضرت عبادہؓ ابن الصامت آگے آخری بات بیان فرماتے ہیں کہ ہم نے بیعت کی اور عہد کیا اس بات پر: " وَعَلٰی اَنْ نَقُوْلَ بِالْحَقِّ اَيْنَمَا كُنَّا لَا نَخَافُ فِي اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ " ہم حق کہتے رہیں گے جہاں بھی ہوں اور ہم ہرگز نہیں ڈریں گے کسی ملامت گر کی ملامت سے۔" یعنی معاذ اللہ غلامانہ ذہنیت پیدا کرنا اس بیعت کا مقصد نہیں ہے۔ معاذ اللہ مقلدانہ مزاج بنانا اسلام کا ہرگز منشا نہیں ہے ــــ اپنی سوچ کو آزاد رکھو، غور کرتے رہو، اپنی آنکھیں کھلی رکھو۔ دین کے لئے کام کرنا سب کا مشترکہ مقصد ہے۔ کسی ایک کا مقصد نہیں ہے۔ جو مرحلہ بھی درپیش ہو، اس موقع پر اس کے تقاضوں کے فہم کے لئے تمہارا ذہن کام کرے۔ اس کے موافقت یا مخالفت، اس کے حق اور اختلاف کے بارے میں تم بھی سوچو، اپنی رائے کا برملا اظہار کرو۔ اللہ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ۔ جب اجتماعی مشورے کے بعد امیر کا فیصلہ سامنے آجائے تو مانو ــــ اس کے حکم کی تعمیل کرو۔

اندازہ کیجئے یہ ہے ڈسپلن۔ اس ڈسپلن کے بغیر انقلاب نہیں آسکتا۔ اس ڈسپلن کی اہمیت کو غزوہ احد سے سمجھئے۔ آپ نے غور کیا کہ اس غزوہ میں فتح ہو چکی تھی۔ قرآن کہتا ہے: وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ "اور اللہ نے نصرت کا جو وعدہ تم سے کیا تھا۔ اس نے پورا کر دیا۔ جب تم انہیں گاجر مولی کی طرح کاٹ رہے تھے" ــــ پھر یہ فتح شکست میں کیوں بدلی! اسی آیت میں اجمالاً اس کا ذکر ہے۔ اس کی تفصیل احادیث اور سیر کی مستند کتابوں میں ملتی ہے۔ احد کے میدان میں پہاڑ کے ساتھ ایک درّہ تھا۔ اس امکان کے پیش نظر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ ابن جبیرؓ کی سربراہی میں پچاس صحابہؓ کا ایک دستہ تعینات کر دیا تھا کہ مبادا دشمن کی فوج کا کوئی دستہ پہاڑ کے پیچھے سے آکر اس

درّے کے راستے مسلمانوں پر عقب سے حملہ کر دے۔ اس دستہ کو نبی اکرمؐ نے اتنی شدید تاکید کی تھی کہ اگر تم دیکھو کہ ہمیں شکست ہو گئی ہے اور ہماری لاشیں پرندے نوچ رہے ہیں تب بھی اس جگہ کو نہ چھوڑنا ___ مسلمانوں کو جب اللہ کی نصرت سے فتح ہوئی اور دشمن منتشر ہونے لگا تو اس دستے میں اختلاف ہوا کہ حضورؐ کا منشا تو یہ تھا کہ شکست کی صورت میں ہمیں یہ جگہ نہیں چھوڑنی لیکن اب جبکہ مسلمانوں کو فتح ہو رہی ہے تو ہمیں بھی دشمن کو قتل کرنے کے لئے میدانِ جنگ میں چلنا چاہئے۔ دستہ کے امیر حضرت عبداللہ ابن جبیرؓ ان کو روکتے رہے کہ جب تک نبی اکرمؐ کا حکم نہ آئے ہمیں اسی جگہ ٹھہرنا چاہیئے۔ لیکن ان پچاس میں سے زیادہ سے زیادہ پینتیس حضرات تھے جنہوں نے دستہ کے امیر کی بات نہیں مانی اور میدانِ جنگ میں جا شامل ہوئے۔ خالدؓ بن ولید جو اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے اور عرب کے مانے ہوئے جرنیل تھے۔ انہوں نے جب اس درّے کو خالی دیکھا اُحد پہاڑ کے پیچھے سے ایک لمبا چکّر کاٹ کر اپنے دستے کے ساتھ اس درّے کی جانب سے عقب سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ جو پندرہ صحابیؓ رک گئے تھے وہ اس یلغار کو نہ روک سکے اور سب کے سب شہید ہو گئے۔ دشمن کی فوج نے جب یہ دیکھا کہ پیچھے سے خالد بن ولید کے دستے نے حملہ کر دیا تو ان کے اکھڑے ہوئے قدم جم گئے اور انہوں نے پلٹ کر مقابلہ شروع کر دیا اور مسلمانوں کی یہ فتح شکست میں تبدیل ہو گئی۔ اسی کی طرف اشارہ ہے آیت کے اگلے حصہ میں:

حَتّٰٓی اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ وَعَصَیْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ط "مگر جب تم نے کمزوری دکھائی اور حکم کے بارے میں اختلاف کیا"۔ دیکھئے وہی لفظ آگیا: لَا تُنَازِعَ الْاَمْرَ ___ "تم نے اپنے سردار کے حکم کی خلاف ورزی کی جیسے ہی اللہ نے تمہیں وہ چیز دکھائی جو تم کو محبوب تھی"[1]

---

[1] اکثر مفسرین نے یہاں مَا تُحِبُّوْنَ سے مراد مال غنیمت کی محبت لی ہے۔ جبکہ بعض نے اس سے مراد فتح لی ہے۔ یہ حضرات سورہ صف کی آیت وَاُخْرٰی تُحِبُّوْنَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ سے اپنی رائے کے لئے استدلال کرتے ہیں۔ یہ رائے انسب معلوم ہوتی ہے۔ (مرتب)

دیکھا آپ نے پینتیس ۳۵ افراد کی طرف سے ڈسپلن توڑنے کی سزا ستر صحابہ کرام کی شہادت کی شکل میں ملی جن میں حضرت حمزہ بھی تھے اور حضرت مصعب ابن عمیر بھی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ پھر یہ کہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی زخمی ہوئے ۔۔ یہ سب اس لئے ہوا کہ ہم تمہیں آزمانا اور سبق دینا چاہتے تھے اور تمہارے دلوں کو پاک کرنا چاہتے تھے وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۔ تمہاری تنظیم کا یہ جھول رفع ہو جانا چاہیئے اور تمہیں ڈسپلن کا پابند اور خوگر بننا چاہیئے۔ ابھی تو ابتدائے عشق ہے۔ ابھی تو عشق کے امتحان اور بھی ہیں۔ تمہیں اللہ کے دین کا جھنڈا چہار دانگِ عالم میں بلند کرنا ہے۔ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ تم عالمی اسلامی صالح انقلاب کے ہراول ہو ۔۔ تمہاری جانب سے کامل سمع و طاعت کا مظاہرہ ہونا چاہیئے۔ اگر ابھی یہ ڈھیل ہے تو آگے کیسے چلو گے! ۔۔۔ یہ ہے بیعتِ سمع و طاعت۔

میں اس موقع پر ایک ضمنی بات کہہ کر آگے بڑھوں گا ۔۔ ایک دوسری بیعت بھی ہے، میں اسے حق مانتا ہوں اور وہ ہے بیعتِ ارشاد۔ لیکن وہ بیعتِ سمع و طاعت نہیں ہے۔ اس بیعتِ ارشاد کے لئے قرآن و سنت میں بنیاد ہے۔ قرآن مجید میں سورہ ممتحنہ میں بیعت النساء کا پوری تفصیل کے ساتھ ذکر ہے۔ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ (الیٰ آخر الآیۃ) یہ بیعتِ نساء ہے۔ اور حضرت عبادہ بن صامتؓ کی ایک اور روایت میں یہ الفاظ مل جاتے ہیں کہ لیلۃ العقبہ میں اسی کی بیعت حضورؐ نے انصارِ مدینہ سے لی تھی۔ اس میں بالکل یہی الفاظ ہیں۔

عن ابی ادریس عائذ اللہ بن عبد اللہ ان عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ وکان شھد بدرا وھو احد النقباء لیلۃ العقبۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال وحولہ عصابۃ من اصحابہ بایعونی علی ان لا تشرکوا باللہ شیئاً و

لا تسرقوا ولا تزنوا ولا تقتلوا اولاد کم ولا تأتوا ببھتان تفترونہ بین ایدیکم وارجلکم ولا تعصوا فی معروف فمن وفیٰ منکم فاجرہ علی اللہ ومن اصاب من ذٰلک شیئًا فعوقب فی الدنیا فھو کفارۃ لہ ومن اصاب من ذٰلک شیئًا ثم سترہ اللہ فھو الی اللہ ان شاء عفاعنہ وان شاء عاقبہ فبایعناہ علیٰ ذٰلک ۔ (صحیح بخاری ۔کتاب الایمان)

—— لیلۃ العقبہ میں حضورؐ نے یہ بیعت لی ہے ۔ یہ بیعتِ ارشاد ہے ۔ نیکیوں کے کے لئے ، بھلائیوں کے لئے ، برائیوں سے بچنے کے لئے ، تزکیہ نفس کے لئے ۔

اب میں تاریخی اعتبار سے ایک اجمالی سا نقشہ آپ حضرات کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں —— دیکھیے نبیِ اکرمؐ نے بیعتیں لیں ۔ بیعت عقبۂ اولیٰ ، بیعت عقبۂ ثانیہ اور بیعتِ شجرہ ، اسی کا دوسرا نام بیعتِ رضوان ہے ۔ ان بیعتوں کا ذکر تو سیرت کی تمام کتابوں میں مل جاتا ہے ۔ بیعتِ رضوان کا بیان تو قرآن مجید میں موجود ہے ۔ ایک بیعت کا ذکر امام بخاریؒ نے کیا ہے ۔ اس شعر میں جو صحابہ کرامؓ غزوۂ احزاب میں پڑھ رہے تھے ۔ جب وہ خندق کھود رہے تھے تو ان کی زبانوں پہ یہ شعر جاری تھا ؎

نَحْنُ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا مُحَمَّدًا
عَلَی الْجِھَادِ مَا بَقِیْنَا اَبَدًا

"ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جہاد کے لئے بیعت کی ہے ۔ جب تک ہم زندہ رہیں ۔"

اس بات کو خاص طور پہ نوٹ کیجیے کہ بیعتِ رضوان ابھی نہیں ہوئی ۔ سورہ فتح ابھی نازل نہیں ہوئی —— یہ بیعتِ جہاد جس کا اس شعر میں ذکر ہے کب ہوئی ۔ ! اب یہ تحقیق کی بات ہے کہ بالفعل بھی ایسا کوئی واقعہ ہوا تھا ۔ ! یا یہ کہ اس کو تعبیر کیا گیا اس امر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے معنی ہی یہ ہیں کہ ہم نے بیعتِ جہاد کی ہے ۔ یہ کسی محقق کے کرنے کا کام ہے کہ یہ بیعتِ جہاد کب اور کہاں لی گئی ! یا جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا کہ یہ ایمان لانے کی تعبیر ہے : نحن الذین

بایعوا محمدا علی الجهاد ما بقینا ابدًا ۔ میں اپنی رائے پیش کر رہا ہوں، میرا گمان ہے کہ عقبۂ اولیٰ کی بیعت وہ تھی جو میں نے حضرت عبادہ بن صامتؓ کی روایت کے حوالے سے ابھی آپ کو سنائی ہے ۔ جو بیعتِ ارشاد اور تزکیہ کے لئے جڑ اور بنیاد ہے ۔ اور عقبۂ ثانیہ میں نبی اکرمؐ نے انصارؓ سے جو بیعت لی وہ چونکہ حضورؐ کی حفاظت کے لئے تھی اس لئے اس میں یقیناً جہاد کے لئے بیعت کے بھی الفاظ ہوں گے ۔ تحقیق پر انشاء اللہ کوئی روایت مل جائے گی ۔ اور میرے اس خیال کی تصویب ہو جائیگی۔

یہاں ایک نکتہ اور عرض کر دوں ۔ اگر آپ غور کریں گے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی نوع کی بیعت لینے کی ضرورت نہیں تھی ۔ اس لئے کہ حضورؐ تو اللہ کے رسول ہیں ۔ رسول سے تعلق تو ایمان کا ہے ۔ ایمان لائے اور ہمہ تن مطیع ہو گئے جیسا کہ سعد ابن عبادہ رضی اللہ عنہ نے غزوہ بدر سے پہلے مجلس مشاورت میں کہا تھا کہ حضورؐ ہم سے کیا پوچھ رہے ہیں : اِنَّا اٰمَنَّا بِكَ وَصَدَّقْنَاكَ ۔ ہم آپؐ پر ایمان لا چکے ہیں ۔ ہم نے آپؐ کی تصدیق کی ہے ۔ اب ہمارے پاس کون سا اختیار رہ گیا ہے ! ـــــ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۔ رسول مان لیا تو بات ختم ۔ میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں اور اہلِ علم کی تصویب یا تصحیح کے لئے یہ بات پیش ہے کہ درحقیقت یہ ساری بیعتیں حضورؐ نے صرف اسوہ اور سنّت چھوڑنے کے لئے لی تھیں ۔ ورنہ مجھے یقین ہے جتنا اس بات کا یقین ہے کہ اس وقت آپ حضرات یہاں تشریف رکھتے ہیں اور میں آپ سے خطاب کر رہا ہوں ۔ اتنا ہی مجھے اس کا یقین ہے کہ وہ چودہ سو صحابہ کرامؓ جو مدینہ سے چل کر حدیبیہ تک پہنچے تھے ۔ اس موقع پر نبی اکرمؐ جنگ کا فیصلہ فرماتے تو ان میں سے کوئی ایک نہیں تھا جو پیٹھ دکھا دیتا ـــ ان کے دلوں میں تو آگ لگی ہوئی تھی ۔ وہ حضرت عمر کے طرزِ عمل سے بھی سامنے آ رہی ہے اور حضرت علی کے طرزِ عمل سے بھی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ـــ تمام صحابہ کرامؓ کے طرزِ عمل سے سامنے آ رہی ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ احرام کھول دو اور جو ھدی کے جانور لائے ہو ان کی قربانی دے دو ، انہیں یہیں ذبح کر دو ۔ لیکن ایک بھی نہیں اٹھا ۔ ان کے دلوں کی کیفیت عجیب تھی ۔ ان کی تلواریں نیاموں سے باہر آنے کے لئے بیتاب تھیں ۔ وہ

سوچ رہے تھے شاید جلد ہی وحی الٰہی آجائے اور حضورؐ جنگ کا فیصلہ فرمالیں ـــــ پھر بیعت کی ضرورت کیا تھی ۔ وہاں بیعت ہونی چاہیئے تھی سمع وطاعت کی بیعت ـــ حضورؐ کو ان کے جذبات کو ٹھنڈا کرنا ہے ۔ انہیں روکنا ہے ۔ لیکن درحقیقت بیعت شجرہ اسوہ اور سنّت تھی بعد میں آنے والوں کے لئے ـــــ اگر ہم یہ مانتے ہیں کہ دین ہمہ اوست ۔ دین تو نام ہی اتباعِ رسولؐ کا ہے ۔ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ تو ہم بعد کے زمانے کے لئے وہ بنیاد کہاں سے لاتے ۔ اگر وہ بات سنّت وسیرتِ رسول علی صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام سے ثابت نہ ہوتی !

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافتِ راشدہ کا نظام قائم ہوا ۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں دین و دنیا ایک وحدت ہیں جیسے دورِ نبوّی و رسالت میں ویسے ہی دورِ خلافتِ راشدہ میں ۔ جو امام دنیا کا ہے ، وہ ہی امام دین کا ہے ۔ وہی مسجد نبویؐ کی نمازوں کا امام بھی ہے اور خطیب بھی ۔ لہٰذا ایک ہی بیعت ہے ، حضرات ابوبکرؓ کی ، عمرؓ کی ، عثمانؓ کی ، علیؓ کی رضی اللہ تعالیٰ عنہم وارضاہم اجمعین ـــ

یہ بیعت سیاسی بھی ہے ، حکومت کی بھی ہے اور یہ بیعت دینی بھی ہے ـــ البتہ اس دور میں لوگوں کو ایک مغالطہ ہو گیا ہے میں چاہتا ہوں کہ اس کی اصلاح کے لئے کچھ عرض کر دوں ۔ اکثر لوگ بیلٹ کو بیعت کا مترادف اور قائم مقام سمجھ رہے ہیں ۔ یہ مغالطہ ہی نہیں حماقت ہے ۔ اس دور کا جو بیلٹ ہے ، وہ مشورے کے قائم مقام ہے ۔ مشورے کے بعد حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی ہے ۔ پھر حضرت عمرؓ نے چھ صحابہؓ کا امیر کے انتخاب کے لئے جو بورڈ قائم کیا تھا ، اس نے کتنی دیر تک مشورہ کیا ہے اور پھر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو اختیار سپرد کیا ہے کہ وہ حضرات عثمانؓ و علیؓ میں سے ایک کو خلیفہ اور امیرالمؤمنین نامزد کر دیں ۔ پھر فیصلہ سے قبل حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے مدینہ میں بہت سے مردوں عورتوں حتّٰی کہ نوعمروں سے مشورہ لیا ہے ۔ یہ تمام تفاصیل سیر کی کتابوں میں محفوظ ہیں ۔ اس کے بعد انہوں نے حضرت عثمانؓ کا نام پیش کیا ہے ۔ پھر بیعت عام ہوئی ہے ۔ حضرت علیؓ کو جب خلافت کی پیش کش کی گئی ہے تو آپؓ نے مدینہ میں مقیم اکابر صحابہؓ کو مسجد نبوی میں جمع کیا ہے اور پھر مشورہ کے بعد بیعت لی ہے ـــ لہٰذا بیلٹ اور بیعت کو بالکل علیحدہ

کر دیجئے ۔ یہ قطعی طور پر ایک دوسرے سے جدا عمل ہیں ـــــ اس دور میں مشورے کا جو بھی نظام بنے ۔ یہ اصحابِ علم و دانش کا کام ہے کہ وہ اسلامی اصولوں کو سامنے رکھ کر مشورے کا کوئی نظام بنائیں اور جب ضرورت ہوگی انشاء اللہ بن جائے گا اور جب تک وہ وقت نہیں آتا بحثیں ہی ہوتی رہیں گی ۔ حاصل کچھ نہیں ہوگا ۔ ذہنی انتشار ہی بڑھتا رہے گا ۔ بہر حال بیعت اور بیلٹ بالکل جدا ہیں ۔ بیلٹ مشورے کا معاملہ ہے ۔ مشورے کے بعد وہ مسئلہ طے ہوگا جس کے لئے بیلٹ کرایا جائے گا ۔

خلافتِ راشدہ کے بعد نری خلافت رہ گئی ۔ خلافت تو ہے لیکن اس میں سے دینی عنصر نکل گیا ۔ اب محض حکمرانی ہے ۔ لہٰذا آپ کو معلوم ہے کہ دو بیعتیں شروع ہو گئیں ۔ اس دینی عنصر نے بیعت ارشاد کی شکل اختیار کر لی ۔ سیاسی اور حکومتی سطح پر بنو امیہ اور بنو عباس کے خلفاء سے بیعت ہو رہی ہے ۔ ان دو بیعتوں کا نظام چلتا رہا ۔ تا آنکہ مغربی امپریلزم کے سیلاب نے ہمارے سیاسی اور حکمرانی کے نظام کی دھجیاں بکھیر دیں ۔ ریت کے گھروندوں کے مانند ہماری حکومتیں بیٹھ گئیں ۔ لہٰذا بیعتِ حکومت ختم ہو گئی ۔ اب ایک ہی بیعت رہ گئی اور وہ بیعتِ ارشاد ہے ۔ اس کو تو ختم کرنے والا کوئی نہیں تھا ـــ اس میں جو مختلف سلاسل وجود میں آ گئے تھے وہ تا حال چل رہے ہیں ـــ جیسے فقہ کے چار مسالک مشہور و معروف ہیں اور چل رہے ہیں ـــ البتہ اب جو احیائی تحریکیں اٹھیں ـــ یہ ہے اہم اور غور طلب بات ـــ وہ سب بیعت کی بنیاد پر اٹھیں ۔ ایک استثنا ہے جس کا میں بعد میں ذکر کروں گا ۔ ـــ سوڈان میں انگریزی حکومت سے ٹکراؤ کے لئے مہدی سوڈانی کی جو تحریک اٹھی وہ بیعت کی بنیاد پر اٹھی ۔ طرابلس (موجودہ لیبیا) میں سنوسی کی تحریک اطالویوں کے خلاف بیعت کی بنیاد پر اٹھی ۔ نجد سے جو تحریک اٹھی اگرچہ وہ براہِ راست مغربی سامراج کے غلام نہیں ہوئے تھے لیکن شیخ محمد بن عبدالوہابؒ کی تجدید دین و احیائے اسلام کے لئے جو تحریک اٹھی تھی وہ بھی بیعت کی بنیاد پر ـــ پھر میرے نزدیک ان تمام تحریکوں میں سب سے عظیم تحریک، دورِ صحابہ سے مماثلت میں قریب ترین تحریک وہ تحریک تھی جسے ہم تحریکِ شہیدین کے نام سے جانتے ہیں ـــ اس کی بنیاد بھی بیعت پر ـــ اس تحریک میں کم از کم مجھے دورِ نبوت کا نقشہ نظر آتا ہے ۔ جیسے حضورؐ نے

بہت سی بیعتیں لی ہیں جن کا ذکر احادیث میں ملے گا۔ یہاں تک کہ سننِ نسائی میں حضرت جریرؓ سے مروی ہے کہ میں نے حضورؐ سے ہر مسلمان کی خیر خواہی کے لئے بیعت کی: عن جریرؓ قال بایعت رسولؐ اللہ علی النصح لکلّ مسلمٍ۔ بیعت عقبہ اولیٰ، بیعتِ عقبہ ثانیہ، بیعتِ رضوان کا حوالہ میں پہلے دے چکا ہوں۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ایک روایت جو متفق علیہ ہے۔ مزید سن لیجیے۔ قال کنا اذا بایعنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی السمع والطاعۃ یقول لنا فیما استطعتم "جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے سمع و طاعت کی بیعت کرتے تو آپؐ ہم سے فرماتے کہ جس چیز کی تم طاقت رکھو"۔ معلوم ہوا کہ حضورؐ نے مختلف مواقع پر مختلف امور کے لئے صحابہ کرامؓ سے بیعتیں لی ہیں۔ یہی نقشہ آپ کو تحریکِ شہیدین میں ملے گا۔ بیعتِ ارشاد بھی ہے، بیعتِ جہاد بھی ہے۔ بیعتِ اتباعِ شریعت بھی ہے اور آخری بیعت وہ تھی جو اس آخری وقت لی گئی جب انتہائی نامساعد حالات تھے۔ نہ راشن ہے، نہ اور ساز و سامان ہے گویا کہ مشہدِ بالاکوٹ کا انتظار ہو رہا ہے۔ اس وقت سید صاحبؒ نے آخری بیعت لی تھی کہ مجھ سے اس بات پر بیعت کرو کہ ہر شخص اپنے ساتھی بھائی کو اپنے اوپر ترجیح دے گا اور مقدّم رکھے گا: یُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ وَلَوْ کَانَ بِھِمْ خَصَاصَۃٌ ۔ اس بیعت سے معذرت کی شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اس عذر کی بنیاد پر کہ "میں بوڑھا ہو چکا ہوں۔ میرے قویٰ کمزور پڑ گئے ہیں۔ میں اس بیعت کا حق ادا نہیں کر سکتا"

ذہن میں رکھیے کہ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کون ہیں۔ امام الہند شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا پوتا۔ شاہ عبدالعزیزؒ، شاہ عبدالقادرؒ اور شاہ رفیع الدین کا بھتیجا۔ شاہ عبدالغنیؒ کا لختِ جگر۔ علم کا پہاڑ۔ 'عبقات' کا مصنف، میں دعوے سے کہتا ہوں کہ اس دور کے جو فارغ التحصیل علماء ہیں ان کے نوّے فیصد حضرات اس کتاب کو سمجھنا تو درکنار، صحیح پڑھ بھی نہیں سکتے۔ منصبِ امامت جیسی کتاب کا مصنّف۔ تقویۃ الایمان جیسی کتاب کا مصنف۔ کس کے ہاتھ پر بیعت کی جوانؒ کے مقابلہ میں علم میں ان کا پاسنگ نہیں۔ سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی جلالتِ شان کے باوجود علم میں شاہ اسمٰعیلؒ کے پاسنگ بھی نہیں تھے۔ عمر میں چھوٹے، چھ سال کا فرق۔ شاہ اسمٰعیلؒ چھ سال

بڑے ہیں سید صاحب سے ـــــ میں نے ابھی حال ہی میں کراچی میں تحریک شہیدین پر ایک تقریر کی ہے۔ لہٰذا چند کتابوں سے مراجعت کی تو پہلی مرتبہ میرے علم میں آیا کہ سید صاحبؒ شاگرد بھی ہیں شاہ اسمٰعیلؒ کے ـــ بعض کتابیں انہوں نے شاہ صاحبؒ سے پڑھی ہیں۔ وہ نسبت بھی ہے لیکن یہ کہ اس اللہ کے بندے نے ہاتھ میں ہاتھ دینے کے بعد جو نباہ کیا ہے وہ بے مثال ہے۔ یہ ہمارے ماضی قریب کی تاریخ ہے۔ قریباً ڈیڑھ سو صدی قبل کی بات ہے ـــــ سید صاحب رحمہ اللہ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ تاریخ کا (LONGEST MARCH) کیا ہے۔ ماؤزے تنگ کا مارچ اس کے مقابلے میں کیا حیثیت رکھتا ہے! ۔ وہ جو ہجرت کی ہے اور رائے بریلی میں تکیہ شاہ علم اللہ کو چھوڑا ہے اور ندی کو پار کیا ہے تو دو نفل شکرانے کے ادا کئے ہیں کہ اللہ تیرا شکر ہے کہ تو نے اپنے دین کے لئے ہجرت کی توفیق عطا فرمائی اور پھر کہاں سے کہاں!۔ رائے بریلی سے گوالیار۔ گوالیار سے ٹونک، وہاں سے جیسلمیر وہ عمرکوٹ جہاں اکبر پیدا ہوا تھا۔ پھر وہاں سے حیدرآباد ـــ پھر پرجی گوٹھ پیر پگاڑا صاحب کی بستی۔ وہاں سے شکارپور۔ پھر درّہ بولان کراس کر کے کوئٹہ۔ پھر قندھار ہوتے ہوئے کابل اور وہاں سے پشاور ـــــ

یہ باتیں اس وقت میرے موضوع سے متعلق نہیں ہیں۔ تحریک شہیدین کی بات چلی تو یہ باتیں بھی زیر گفتگو آگئیں۔ اس وقت مجھے جو عرض کرنا تھا وہ یہ کہ یہ عظیم الشان تحریک بیعت کی بنیاد پر اٹھی ـــــ اس کے ساتھ ہی میں آپ کو یہ بات بتانا چاہتا ہوں کہ یہ نہ سمجھئے کہ بالاکوٹ کے مقام پر ان قائدینؒ اور ان کے نیک ساتھیوں کی شہادت کے بعد یہ تحریک ختم ہوگئی اور اس کے کچھ اثرات نہیں رہے۔ معاذ اللہ ـــــ اس کے بعد بھی اس تحریک کے بنگال میں، بہار میں، یوپی میں، جنوبی ہند میں باقیات الصالحات پھیلے ہیں اور انہوں نے وہاں دعوت و تبلیغ کا کام کیا ہے۔ یہ اپنی جگہ ایک مستقل موضوع ہے۔ بالاکوٹ میں ذیوی اور ظاہری نقطۂ نظر سے تحریک ناکام ہوئی ہے تو یہ نہ سمجھئے کہ اس کے اثرات بھی ختم ہوگئے۔ یہ دارالعلوم دیوبند کا قیام، اس کے علمائے حق، یہ اسی تحریک کی ایک کڑی ہے۔ اسی دیوبند کی ایک عظیم ترین شخصیت ہیں شیخ الہند مولانا محمود حسن

دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ ـــ یہاں تک اس بیعت کا تار نہیں ٹوٹا چل رہا ہے۔ مولانا عبید اللہ سندھیؒ آخر شیخ الہند کے ساتھ کسی عہد میں بندھے ہوئے تھے کہ ادھر حکم ہوا ادھر یہ اپنا گھر بار چھوڑ کر افغانستان نکل گئے ـــ اگر اسی مسئلہ پر ہمارے یہاں باقاعدہ تحقیق ہو تو مجھے یقین ہے کہ بہت سی اہم باتیں جن پر ماضی کا پردہ پڑا ہے منظر عام پر آجائیں۔ میں نے جب مولانا ابوالکلام آزاد کے متعلق یہ روایت "میثاق" کے اکتوبر ۷۵ء میں شائع کی تھی کہ جمعیت العلماء ہند کے ۱۹۲۲ء کے اجلاس میں حضرت شیخ الہندؒ کے ایماء پر مولانا مفتی کفایت اللہ مرحوم اور مولانا احمد سعید مرحوم نے یہ تحریک پیش کی تھی کہ مولانا آزاد مرحوم کو امام الہند مان کر تمام علماء ان کے ہاتھ پر جہاد کی بیعت کریں۔ لیکن مولانا معین الدین اجمیری مرحوم کے ایک اصولی اعتراض کی وجہ سے اس پر عمل نہیں ہوا (یہ مضمون میں نے علیحدہ پمفلٹ کی شکل میں طبع کرالیا ہے اور آج حاضرین میں ہدیۃً تقسیم ہو جائے گا)[1] اس پر کراچی سے ڈاکٹر احمد کمال صاحب کا خط آیا جس میں اس بات کو خلافِ واقعہ بتایا گیا تھا۔ لامحالہ مجھے پھر معاملہ کی تحقیق کرنی پڑی جس کے نتیجے میں معلوم ہوا کہ میں نے جس روایت کا حوالہ دیا تھا وہ بالکل صحیح تھی۔ اس میں صرف سن کے تعین میں تسامح ہو گیا تھا۔ یعنی یہ اجلاس ۱۹۲۲ء میں نہیں ۱۹۲۰ء میں منعقد ہوا تھا۔ بہرحال یہ تمام بحث پمفلٹ کے مطالعہ سے آپ کے سامنے آجائے گی۔ اس تحقیق کے دوران اور بھی عجیب عجیب انکشاف ہوئے۔ مولانا معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ خیرآبادی مکتب فکر کی ایک عظیم شخصیت تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آخری شخصیت لیکن میرے نزدیک اس مکتبہ فکر کی آخری شخصیت مولانا اجمیریؒ کے شاگردِ رشید مولانا منتخب الحق صاحب ہیں جو بفضلہٖ تعالیٰ بقیدِ حیات ہیں۔ ان کے بعد شاید منطق و فلسفہ قدیم کا یہ مکتبِ فکر ختم ہو جائے۔ مولانا اجمیریؒ کے متعلق مولانا منتخب الحق صاحب مدظلہٗ نے مجھے بتایا کہ مولاناؒ اپنی لائبریری کی الماریوں کی چابیاں کتابوں کی صفائی کے لئے اکثر کسی نہ کسی شاگرد کو دے دیا کرتے تھے۔ لیکن ایک الماری ایسی تھی کہ جس کی چابی وہ اپنے شاگردوں

---

[1] یہ پمفلٹ ۵۰ پیسے کے ٹکٹ بھیج کر مکتبہ سے ہدیۃً طلب کیا جا سکتا ہے۔ (مرتب)

میں کبھی کسی کو نہیں دیتے تھے۔ مولانا منتخب الحق صاحب نے بتایا کہ ایک مرتبہ ایسی چوک ہوئی کہ انہوں نے اس کی چابی مجھے دے دی کہ ذرا اس الماری کی کتابیں وغیرہ صاف کر لو ۔۔۔ وہاں میں نے دیکھا کہ ایک رجسٹر رکھا ہوا تھا۔ اس میں ان لوگوں کے نام اور پتے درج تھے جو مولانا مرحوم کے ہاتھ پر انگریز کے خلاف بیعت جہاد کئے ہوئے تھے۔ اس دور میں یہ چیز کہاں ہے۔! نہ معلوم ہندوستان میں کتنے علماء ہوں گے جنہوں نے اسی طرز پر بیعتِ جہاد لی ہوگی۔ لیکن یہ کہ کوئی مرحلہ آئے تو بات سامنے آئے۔ مناسب جمعیت فراہم ہو تو اس کا آگے ظہور ہو ۔۔۔

میں اب جو بات عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اس سلسلہ کی آخری کڑی تھی وہ کوشش جو حضرت شیخ الہندؒ نے اپنی زندگی کا چراغ گل ہونے سے چند یوم قبل کی تھی کہ یہ تار نہ ٹوٹنے نہ پائے۔ یہ کوشش ۱۹۲۰ء کے جمعیت العلماء ہند کے اجلاس میں جو دہلی کی جامع مسجد میں منعقد ہوا تھا کی گئی تھی دیے سے دیا جلتا رہے۔ چراغ سے چراغ روشن ہوتا رہے۔ حضرت شیخ الہندؒ کی کوشش یہ تھی کہ مولانا ابوالکلام آزاد کے ہاتھ پر بیعت کی جائے۔ وہ امام الہند مانے جائیں اور پھر جہاد کیا جائے۔ میں نے مولانا معین الدین اجمیریؒ کا ذکر پہلے کر دیا۔ میرے دل میں ان کا بڑا احترام ہے۔ علمی وجاہت کے اعتبار سے بھی اور اس لئے بھی کہ وہ خود اپنی جگہ بیعتِ جہاد لے رہے تھے۔ لیکن مسئلہ درپیش تھا کہ تمام علمائے ہند کی طرف سے بیعت کی جائے۔ یہ بہت بڑی بات تھی۔ اس لئے کہ اس وقت جمعیت علمائے ہند کا پلیٹ فارم صرف علمائے دیوبند کا نہیں تھا۔ وہ تو مشترک پلیٹ فارم تھا۔ اس میں اس وقت فرنگی محل کے علماء بھی تھے، اس میں بدایون کے علماء بھی تھے اس میں بریلی مکتبِ فکر کے علماء بھی تھے۔ مجھے تو یہ واقعہ پروفیسر یوسف سلیم چشتی مرحوم ومغفور نے سنایا تھا۔ اور انہوں نے یہ واقعہ مولانا عبدالحامد بدایونی مرحوم کے برادرِ بزرگ مولانا عبدالماجد بدایونی مرحوم سے سنا تھا جو اس اجتماع میں بنفسِ نفیس موجود تھے ۔۔۔

پروفیسر یوسف سلیم چشتی مرحوم ومغفور کے نام کا ذکر آ گیا ہے۔ بہت سے احباب نے مجھے یاد دلایا تھا کہ ان محاضرات میں ان کا کوئی ذکر ہی نہیں ہوا حالانکہ

ہماری تمام قرآن کانفرنسوں اور محاضراتِ قرآنی کی ایک نشست کی وہ رونق ہوا کرتے تھے، بلا استثنا ـــ میں نے ان سے بہت کچھ سیکھا ہے اور بہت کچھ حاصل کیا ہے۔ بہرحال وہ اللہ کے حضور حاضر ہو چکے۔ اللہ تعالیٰ ان کی خطاؤں سے سے درگزر فرمائے اور انہیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ جذبات میں آکر وہ کبھی انتہا پسندی کا مظاہرہ کر جاتے تھے، اس کو علیحدہ رکھ کر میں نے ان سے زیادہ سچا آدمی اپنی پوری زندگی میں نہیں دیکھا۔ کسی شے کا خوف ان کو نہیں تھا۔ اور سچ کہنے سے کوئی باک نہیں تھا۔ کبھی انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ میری اس بات سے کون ناراض ہوگا اور کس کی تیوری پر بل چڑھ جائیں گے۔ جو بات کہی ہے سچ سمجھ کر کہی ہے ـــ ہو سکتا ہے کہ آدمی مغالطہ میں ہو یہ دوسری بات ہے ـــ لیکن ہمیشہ بات وہی کہی ہے جو ان کے نزدیک حق ہو ـــ ان کے انتقال پر ہمارے یہاں جو کچھ ہوا ہے وہ بھی آپ کے سامنے ہے ـــ ایکٹر مر جائیں تو اخبارات کے صفحے کے صفحے میں کالے نہیں کہہ رہا رنگین ہو جاتے ہیں اور خصوصی ایڈیشنوں کی مسابقت شروع ہو جاتی ہے لیکن وہ درویش ایسے گیا ہے کہ جیسے پتہ نہیں۔ میرا خیال یہ تھا کہ ان کے جنازے پر لاہور ٹوٹ پڑے گا لیکن جب وہاں جا کر جو حال دیکھا ہے سو دیکھا ہے۔ چند لوگ نماز جنازہ کے لئے۔ پانچ صفیں بھی مشکل سے بنی تھیں۔ وہ بھی طاق تعداد بنانے کی خاطر ـــ

بہرحال میں عرض کر رہا تھا کہ وہ جو کوشش تھی اور بات یہ آگئی تھی کہ اس وقت جمعیت علمائے ہند کا پلیٹ فارم مشترک تھا۔ اہل حدیث حضرات سن لیں کہ اس وقت کوئی جمعیتِ اہل حدیث نہیں تھی۔ اہل حدیث علماء بھی اسی میں شامل تھے۔ مولانا داؤد غزنوی مرحوم و مغفور اس اجلاس میں شریک تھے ـــ

جب مولانا آزاد مرحوم کو امام الہند بنانے اور ان کے ہاتھ پر بیعتِ جہاد کرنے کی تحریک پیش ہوئی تو مولانا معین الدین اجمیری مرحوم کھڑے ہو گئے۔ اور انہوں نے ایک بات کہی۔ انہوں نے تجویز کی مخالفت نہیں کی۔ اسے مخالفت نہیں کہا جا سکتا ـــ مولانا اجمیری مرحوم نے کہا کہ اتنا بڑا فیصلہ اچانک مجمع عام میں نہیں ہونا چاہیئے اس سے پہلے اس تجویز پر مجلس شوریٰ یا جو بھی ان کا نظام تھا،

اس میں اس پر غور ہونا چاہیئے ـــ بات اتنی وزنی تھی کہ اس کو رد کرنے کا کوئی سوال ہی نہیں ـــ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ جو پہلے اصل تجویز کی تائید کر چکے تھے، انہوں نے بھی مولانا اجمیری مرحوم کی بات کی تائید کی اور اس وقت اصل تجویز مجلسِ شوریٰ کے سپرد کر دی گئی ۔ چند اور باتیں بھی ہیں جو آپ کو اس پمفلٹ سے معلوم ہو جائیں گی ۔ اسے گھر جا کر پڑھیئے گا ـــ اس اجلاس کے دس روز بعد حضرت شیخ الہندؒ کا انتقال ہو گیا ۔ بہرحال اس تجویز کے پیچھے جو اصل قوت تھی جو اس تار کو جوڑے رکھنا چاہتی تھی اور جو ہندوستان گیر پیمانے پر بیعتِ جہاد کی تجدید و تحریک کی آرزومند تھی وہ دنیا سے رخصت ہو گئی اللّٰھم اغفرلہٗ وارحمہ ـــ مولانا سعید الرحمٰن صاحب علوی ہم سب کے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے ایک مضمون کے ذریعہ حضرت شیخ الہندؒ کے یہ الفاظ ہم تک پہنچا دیئے کہ یہاں تک ان کا حال تھا کہ وہ فرماتے ہیں کہ " میں بیعت کئے بغیر مرنا نہیں چاہتا ۔ میری چارپائی اسٹیج پر لے جاؤ " اس لئے کہ اٹھنے کی تو پوزیشن ہی نہیں تھی ۔ اس اجلاس کا ان کا خطبۂ صدارت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھ کر سنایا تھا ۔ انہیں ایام میں جب حضرت شیخ الہندؒ علی گڑھ یونیورسٹی گئے تھے تو پالکی میں لٹا کر انہیں وہاں پہنچایا گیا تھا ۔ اور چارپائی پر لیٹے لیٹے انہوں نے نہایت دردمندی اور دل سوزی کے ساتھ علی گڑھ کے طلبہ کو ان کا دینی فرض یاد دلایا تھا ۔ ـــ لیکن یہ ان کے اندر جو جذبہ تھا وہ ان سے یہ کام کرا رہا تھا ۔ جسم تو بالکل گھل چکا تھا ۔ ٹی بی آخری اسٹیج کو پہنچ چکی تھی جبھی تو انگریز نے انہیں مالٹا سے رہا کیا تھا اور ہندوستان بھیجا تھا ۔ ورنہ رہائی کا کیا سوال تھا ۔

جب حضرت شیخ الہندؒ کا انتقال ہو گیا تو وہ تجویز ٹھپ ہو گئی ۔ وہ دن اور آج کا دن وہ تار ٹوٹا ہوا ہے ـــ دو تار بیک وقت ٹوٹے ہیں ـــ توجہ کیجئے گا ـــ ایک تارِ خلافت ٹوٹا ـــ آج ساٹھ برس سے زیادہ ہو گئے کہ کوئی صرف نام کا ادارہ بھی پورے عالم اسلام میں موجود نہیں ہے ـــ کہیں کوئی علامتی خلافت کا ادارہ بھی موجود نہیں ـــ دوسرا تار بیعت جہاد کا ٹوٹا ۔ میں پورے ادب و احترام لیکن نہایت دکھ اور رنج کے ساتھ عرض کرتا ہوں

کہ مجھے ایک طرف توان حضرات کے طرزِ عمل پر نہایت افسوس ہوتا ہے جو مدعی ہیں متبع سنّت ہونے کے اور ظاہر حدیث پر عمل کرنے کے ـــــــــــــ

کیسی کیسی حدیثیں ہیں کہ جنہیں یہ حضرات گھول کر پی گئے۔ وہ انہیں نہ صحیح بخاری میں نظر آئیں نہ صحیح مسلم میں ــــ رفع یدین کی احادیث، وہ بھی تولی نہیں عملی صحابہ کرام کی رپورٹ ہے، حضورؐ کا اپنا کوئی قول نہیں ــــ اس پر معرکے ہیں۔ اس پر من دیگرم تو دیگری والا معاملہ ہے ــــ یہ حدیثیں کہاں گئیں! ذرا سنئے تو سہی حضورؐ کا فرمان، قولی حدیث۔ رواہ مسلم عن عبد اللّٰہ ابن عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہما: قال سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقولَ۔" حضرت عبدؓ اللّٰہ ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے خود سنا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے"۔ مَنْ خَلَعَ یَدًا مِّنْ طَاعَۃٍ لَقِیَ اللّٰہَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَلَا حُجَّۃَ لَہٗ وَمَنْ مَاتَ وَلَیْسَ فِیْ عُنُقِہٖ بَیْعَۃٌ مَاتَ مِیْتَۃً جَاهِلِیَّۃً۔" جس نے ہاتھ کھینچ لیا امیر کی اطاعت سے تو وہ قیامت کے دن اللّٰہ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے لئے کوئی عذر اور حجّت نہیں ہوگی اور جو شخص مرا اس حال میں کہ اس کی گردن میں بیعت کا حلقہ نہ تھا بیعت کا قلادہ نہ تھا وہ جاہلیت کی موت مرا"۔ ایک اور حدیث بھی سن لیجئے اگرچہ وہ ایک دوسرے طریق سے میں آپ کو سنا چکا ہوں۔ امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں

عن جنادۃ بن ابی امیۃ قال دخلنا علی عبادۃ بن الصامت وھو مریض۔ قلنا اصلحک اللّٰہ حدث بحدیث ینفعک اللّٰہ بہ سمعتہ من النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال دعانا النبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلم فبایعنا فقال فیما اخذ علینا ان بایعنا علی السمع والطاعۃ فی منشطنا و مکرھنا و عسرنا ویسرنا واثرۃٍ علینا وان لا ننازع الامر اھلہ الا ان تروا کفرا بواحا عندکم من اللّٰہ فیہ برھان

میں کہتا ہوں کہ ہمارے صوفیوں کے لئے پھر بھی گنجائش ہے، ان کے لئے پھر بھی سہارا ہے کہ ہم نے بیعت کی ہوئی ہے اور بیعت لے بھی رہے ہیں بیعت ارشاد کے سلاسل تو جاری ہیں۔ لیکن یہ حضرات اس کے بھی قائل نہیں۔ وہ کہاں

کھڑے ہیں! یہ حدیثیں انہیں پکار رہی ہیں ـــــ دوسری طرف میں اسی ادب واحترام لیکن رنج وافسوس کے ساتھ ان علمائے کرام سے عرض کرتا ہوں جو خود کو حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے سلسلہ تلمذ سے وابستہ کہتے ہیں کہ یہ حضرات کس حال میں ہیں! حضرت شیخ الہندؒ کا یہ حال کہ بستر مرگ پر فرمارہے ہیں کہ میری چارپائی اسٹیج پر لے جاؤ، میں بیعت کئے بغیر مرنا نہیں چاہتا اور بیعت سمع وطاعت اور ہجرت وجہاد کس کے ہاتھ پر کرنے کے لئے آمادہ ہیں جو ان سے عمر کے لحاظ سے پینتیس یا چالیس سال چھوٹا ہے اور جو تقویٰ، طہارت اور علم وفضل کے اعتبار سے ان کا پاسنگ بھی نہیں ہے۔ ان کا ظرف اتنا وسیع ہے کہ برملا اعتراف فرمایا کرتے تھے کہ اس نوجوان یعنی ابوالکلام آزاد نے ہمیں ہمارا بھولا ہوا سبق یاد دلادیا۔ اسی لئے خود بھی ان کے ہاتھ پر بیعتِ جہاد کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں اور اس امر کی کوشش فرماتے ہیں کہ جمعیت العلماء ہند ابوالکلام آزاد مرحوم کے ہاتھ پر من حیث الجماعت ان کو امام الہند تسلیم کرکے ان کے ہاتھ پر بیعتِ جہاد کرلے۔

میں نے عرض کیا تھا کہ گزشتہ ڈیڑھ دوصدی قبل جو تحریکیں اٹھیں، وہ بیعت کی بنیاد پر اٹھیں۔ اس میں ایک استثناء ہے۔ اس کا ذکر یہاں مناسب ہوگا۔ مولانا آزاد مرحوم نے الہلال اور البلاغ کے ذریعہ حکومتِ الٰہیہ کے قیام کے لئے ایک جماعت کی ضرورت پر جو مدلل مقالے لکھے تھے اس کے نتیجے میں اس وقت "حزب اللہ" کے نام سے ایک جماعت مولانا آزاد مرحوم نے قائم کی تھی لیکن وہ محدود رہی اور کوئی تحریک بپا نہ ہوسکی۔ ۱۹۲۰ء میں ان کے ہاتھ پر بیعت جہاد کی شیخ الہندؒ کی تجویز روبعمل نہ آسکی۔ جس کے اسباب میں بیان کرچکا ہوں۔ مولانا آزاد تو اس ناکامی سے بددل ہوکر اس کام سے دستبردار ہوگئے اور ان کی مساعی کا تمام تر میدان استخلاصِ وطن کی جولان گاہ بن گیا ـــــ آزاد مرحوم ہی کے فکر سے متاثر ہوکر مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم ومغفور کی دعوت پر ۱۹۳۸ء میں تجدید واحیائے دین کے لئے 'جماعتِ اسلامی' کا قیام عمل میں آیا[1]۔ اور یہ دستوری وآئینی طرز کی جماعت تھی۔ اس نے ہیئتِ اجتماعیہ کے لئے بیعت کے مسنون طریقے کو اختیار نہیں کیا ـــــ لیکن اسی دور میں مصر میں اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے لئے

---

[1] اگرچہ مولانا مودودی مرحوم نے اپنی تحریک کا رشتہ اشارۃً وکنایۃً بھی مولانا آزاد مرحوم کے فکر سے نہیں جوڑا۔

شیخ حسن البنا شہیدؒ نے الاخوان المسلمون قائم کی تو اس کی بنیاد بیعت پر ہی رکھی۔ تنظیم اسلامی کی مجلسِ مشاورت نے اپنے رفیق ڈاکٹر تقی الدین صاحب کے سپرد یہ کام کیا کہ وہ الاخوان المسلمون کے تنظیمی ڈھانچہ کے متعلق تحقیق کریں۔ چنانچہ انہوں نے اخوان سے متعلق بے شمار کتابوں کا مطالعہ کیا۔ کراچی میں ان حضرات سے ملاقاتیں کیں جن کا قریبی تعلق اخوان سے رہا ہے تو معلوم ہوا کہ اس تنظیم کے تین درجے تھے جس میں سب سے اونچا درجہ وہ تھا جس سے وابستگی بیعت کی بنیاد پر ہوتی تھی ــــ

اب میں کھل کر چند صاف صاف باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اچھی طرح جان لیجئے کہ اس دور میں جس سے ہم آج کل گزر رہے ہیں۔ یہ بیعت سمع وطاعت صرف دو طرح کی ہو سکتی ہے۔ تیسرا کوئی امکان نہیں ہے۔ ایک یہ کہ اگر اسلامی نظام حکومت کہیں قائم ہے تو اس کے سربراہ سے بیعت ہوگی۔ دوسرے یہ کہ اگر ایسا ہے تو جو جماعت جہاد یعنی انقلابی عمل کے ذریعہ اسلامی نظام قائم کرنے کے لئے اٹھے گی اس کے امیر کے ہاتھ پر بیعت ہوگی ــــ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: یَدُ اللّٰہِ عَلَی الْجَمَاعَۃِ۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: لَا اِسْلَامَ اِلَّا بِالْجَمَاعَۃِ ــــ اور حضورؐ فرماتے ہیں: لَا جَمَاعَۃَ اِلَّا بِالْاِمَارَۃِ ــــ اگر اسلامی نظام قائم ہے تو اس کا جو سربراہ ہے وہ صدر نہیں ہوا کرتا۔ وہ امیر المومنین ہے۔ اس کے ہاتھ پر بیعت ہے۔ اور اگر نہیں ہے تو اس کو قائم کرو۔ یہ دو ہی شکلیں ہیں۔ اسلامی نظام قائم کرنے کی جد وجہد کے لئے جماعت درکار ہے۔ اس جماعت کے امیر کے ہاتھ پر بیعت ہوگی۔ تیسری کوئی شکل ہے ہی نہیں ــــ کیسے ایک بندۂ مومن مر سکتا ہے بغیر بیعت کے۔ یا اسلامی حکومت ہے۔ اسلامی نظام ہے تو اس کے سربراہ کے ہاتھ پر بیعت ہے۔ ملک گیر پیمانے پر بیعت لینے کا نظام قائم ہوگا جیسا کہ خلافتِ راشدہ میں اور خلافت بنی امیہ و بنی عباس میں قائم تھا ــــ اگر نہیں ہے تو اس کو قائم کرنے والی جماعت کے ہاتھ پر بیعت ہے ــــ تیسری کوئی شکل ممکن نہیں لہٰذا ہر بندہ مومن پر لازم ہے، واجب ہے، فرض ہے کہ بیعت کا قلادہ اس کی گردن میں پڑا ہو۔ اگر یہ نہیں ہے تو نبی اکرم کا فتویٰ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں آچکا ہے جو مسلم شریف کی روایت ہے جس کے آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ آتے ہیں: وَمَنْ مَاتَ وَلَیْسَ فِیْ عُنُقِہٖ بَیْعَۃٌ مَاتَ

مِيتَةً جاهِلِيَّةً۔

مناسب ہوگا کہ میں اس اشکال کا ذکر بھی کر دوں جو لوگوں کو لاحق ہوتا ہے کہ آخر اس دور میں مسلمانوں کے خلاف قتال کیسے ہوگا! چونکہ عام طور پر مسلم اکثریت کے ممالک کے حکمران مسلمان ہی ہیں۔ بالکل عملی مسئلہ ہے اور یہ اشکال پیدا ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کو کتاب وسنّت کی روشنی میں رفع ہونا ضروری ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بعض اعتبارات سے مسلمانوں کا مسلمانوں سے قتال کا معاملہ یعنی مسلمان حکومت کے خلاف بغاوت کا معاملہ بڑا پیچیدہ ہے۔ چاہے ملک میں اسلامی نظام رائج نہ ہو۔ کفّار کے مقابلہ میں قتال کا معاملہ دوسرا ہے۔ دو عوامل —— ایسے ہیں کہ مسلمانوں کا کسی مسلمان حکومت کے خلاف بغاوت اور مسلمانوں کا آپس میں قتال خارج از بحث ہے۔ میں اسے تسلیم کرتا ہوں۔ اگرچہ مولانا الطاف الرحمٰن بنوی صاحب یہاں تشریف فرما ہیں۔ انہوں نے گذشتہ محاضرات میں جو مقالہ پیش کیا تھا جو 'میثاق' کے جنوری ۸۴ء کے شمارے میں شائع ہوچکا ہے۔ اس مقالہ میں انہوں نے مستند حوالہ جات سے بتایا تھا کہ بعض فقہاء کی رائے یہ ہے کہ کسی فاجر و فاسق مسلمان حکومت کے خلاف خروج اور بغاوت حرام مطلق نہیں ہے۔ البتہ اس کے لئے نہایت کڑی شرائط ہیں۔ یہ پوری ہو جائیں تو خروج کیا جاسکتا ہے لیکن مسئلہ علمی ہے۔ دقیق ہے۔ باریک ہے۔ اہلِ علم اس پر غور کرکے کوئی حتمی رائے قائم کریں۔ میں جو کچھ عرض کر رہا ہوں، وہ یہ ہے کہ اس جدید دور کے حالات کو سمجھئے۔ ممکن اس لئے نہیں ہے کہ عوام اور حکومت کے درمیان طاقت کا بہت بڑا فصل ہے۔ کوئی نسبت بنتی نہیں۔ آخر قرآن مجید نے بھی کوئی نہ کوئی نسبت تو قائم کی ہے ——

—— آخر بدر میں بھی ایک اور تین تھے۔ احد میں ایک اور چار تھے۔ لیکن جب 'موتہ' میں ایک اور تینتیس[۳۳] کی نسبت ہوگئی تو جو نتیجہ نکلا وہ آپ کو معلوم ہے۔ زید بن حارثہ شہید، جعفر طیار ابن ابی طالب شہید، عبداللہ ابن رواحہ شہید۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ حضرت خالد ابن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس نرغے سے بقیہ لشکر کو نکال کر لے آئے۔ یہ بھی بڑی کامیابی ہے۔ اب جو معاملہ ہے وہ ایک اور تینتیس کیا، ایک اور تینتیس سو سے بھی زیادہ ہے۔ چونکہ عوام بالکل نہتے اور حکومت کے پاس فوج کی جو طاقت ہے وہ آپ کو معلوم ہے۔ دوسری اہم بات کیا ہے! اصل میں تمدن میں جو

ارتقا ہوا ہے۔ بعض لوگ اسے بالکل نظرانداز کر دیتے ہیں۔ یہ دور وہ نہیں ہے جس میں عمرانی اور تمدّنی مسائل ابھی (DEVELOP) نہیں ہوئے تھے۔ اس وقت کیا تھا؟ حکومت بدلنے کا ارادہ کرنا بھی بغاوت تھا۔ اور آج حکومت کو بدلنا، اس کو بدلنے کی کوشش کرنا عوام کا مسلّمہ حق ہے۔ زمین و آسمان کا فرق واقع ہو گیا۔ اس لئے کہ اس وقت تک ابھی ریاست اور حکومت ——— کے درمیان فرق و امتیاز نہیں تھا۔ اُس دور میں تصوّر یہ تھا کہ ریاست اور حکومت ایک ہے۔ لہٰذا حکومت کے خلاف اقدام گویا کہ ریاست کے خلاف اقدام شمار ہو جاتا تھا۔ آج تو مشرق و مغرب کا فرق واقع ہو چکا ہے۔ ریاست اور شے ہے حکومت اور شے ہے۔ ہم کسی حکومت کے وفادار نہیں ہیں۔ ہماری وفاداری ریاست کے ساتھ ہے اور حکومت کو بدلنا جمہور کا حق ہے۔ لہٰذا زمین و آسمان کا فرق ہو گیا۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ تبدیلی صرف بغاوت ہی کے ذریعہ آسکتی ہے، وہ لوگ تمدّن میں جو فرق واقع ہو چکے ہیں، ان کو نظرانداز کرتے ہیں۔ ایک اور اہم بات۔ وہ یہ کہ اس دور میں دنیا میں ایک تصوّر (CONCEPT) مضبوط بنیادوں پر استوار ہوا ہے جس کی کامیابی کے مظاہر آپ کو ہر چہار طرف نظر آرہے ہیں۔ وہ تصوّر یہ ہے کہ عوام کو کسی بھی مطالبہ کے لئے پُرامن مظاہرہ کا حق ہے۔ عوام اپنے سیاسی حقوق کے لئے مظاہرہ کر سکتے ہیں۔ وہ اگر حکومت کے کسی اقدام یا فیصلے کو غلط سمجھتے ہیں تو اس کے خلاف مظاہرہ کر سکتے ہیں لیکن نظم و ضبط میں رہیں ——— اور مظاہرہ کریں۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ سورۂ توبہ میں آیت ۱۱۱ کے بعد جو آیت نمبر ۱۱۲ ہے وہ بڑی عظیم آیت ہے۔ اس میں ایک طرف تو وہ ظاہری اور باطنی اوصاف بیان ہو گئے جو ایک بندہ مومن کی سیرت میں درکار ہیں۔ بڑی دلکش اور عجیب ہے یہ آیت ——— اس میں تین تین اوصاف کے تین سیٹ ہیں۔ ایک طرف وہ چھ اوصاف بیان ہوئے جو ایک بندۂ مومن کی زندگی میں انفرادی سطح پر مطلوب ہیں۔ دوسری طرف ایک مسلم معاشرے کا فرد ہونے کے عتبار سے ایک بندۂ مومن پر جو اجتماعی ذمّہ داری عائد ہوتی ہے اس کے لئے جو اوصاف چاہئیں وہ بیان ہو گئے۔ وہ بھی تین ہی بیان ہوئے۔ فرمایا:

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ ۔

"(یہ مومنین جنہوں نے جنّت کے عوض اپنی جان اور اپنا مال اللہ کے ہاتھ بیچ دیا ہے) اللہ کی طرف بار بار پلٹنے والے ہیں۔ عبادت گزار ہیں، اس کا شکر ادا کرنے والے، اس کی ثنا کرنے والے ہیں۔ اس کے (دین) کی خاطر زمین میں گردش کرنے والے ہیں اس کے آگے رکوع اور سجدے کرنے والے ہیں۔"

چھ اوصاف تو یہ ہو گئے۔ آگے جو تین اوصاف آرہے ہیں وہ بڑے غور اور توجہ کے متقاضی ہیں

اَلْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ

"نیکی کا حکم دینے والے ہیں۔ بدی سے روکنے والے ہیں اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے ہیں۔"

اس آیت میں بتا دیا گیا ہے کہ جو بندۂ مومن اللہ سے بیع و شراء کا معاملہ کرتا ہے، وہ ان اوصاف کا حامل ہوتا ہے ـــــ ان آخری اوصاف میں کلید ہے اس سارے مسئلہ کی ـــ ایک مسلمان حکومت میں اسلامی نظام قائم کرنے کے لئے جو انقلابی جماعت میدان میں آئے گی وہ اس بنیاد پر آئے گی کہ صرف امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور تحفظِ حدود اللہ کا فریضہ انجام دے۔ فلاں شے منکر ہے۔ ہم اسے نہیں ہونے دیں گے۔ اگر ہمارے پاس عوامی تائید کی طاقت ہے تو ہم چیلنج کریں گے کہ یہ اسلام کے خلاف کام ہے۔ ہم اسے نہیں ہونے دیں گے اور اسی میں مسئلہ کا حل موجود ہے۔ وہ چیزیں جو سب کے نزدیک منکر ہیں۔ جو بریلوی ہیں، وہ بھی مانتے ہیں کہ بے حیائی، نیم عریانی، تبرّج جاہلیہ، مرد و عورت کے سارے مخلوط طور طریقے منکر ہیں۔ جو دیوبندی ہیں وہ بھی جانتے ہیں کہ یہ تمام کام منکر ہیں، اہلِ حدیث ہیں ان کو بھی ان کے منکر ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ یہی وہ چیز ہے کہ جو تمام فقہی اختلافات کے باوجود لوگوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر دے گی ـــــ میں پرسوں آپ کو وہ حدیث سنا چکا جو مسلم شریف کی روایت ہے اور اس کے راوی ہیں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ وہ کہتے ہیں کہ

حضورؐ نے فرمایا: ما من نبی بعثہ اللہ فی امتہ قبلی الا کان لہ فی امتہ حواریون واصحاب یأخذون بسنتہ ویقتدون بامرہ " مجھ سے پہلے اللہ نے جس نبی کو اس کی اپنی امّت میں مبعوث فرمایا تو اس نبی کی امّت میں اس کے ایسے حواری اور اصحاب ہوتے تھے جو اپنے نبی کی سنّت کو تھامے رکھتے تھے اور اس کے حکم کی اطاعت کرتے تھے " ثم انھا تخلف من بعدھم خلوف " ان کے بعد ان کے ایسے جانشین آجاتے تھے جو نالائق ہوتے تھے " یقولون مالا یفعلون و یفعلون مالا یؤمرون " جو کہتے تھے، اس پر عمل نہیں کرتے تھے اور ایسے کام کرتے تھے جن کا ان کو حکم نہیں دیا گیا تھا " اب حدیث کا اگلا حصہ غور سے سماعت فرمائیے۔ حضورؐ ارشاد فرماتے ہیں: فمن جاھدھم بیدہ فھو مؤمن ومن جاھدھم بلسانہ فھو مؤمن ومن جاھدھم بقلبہ فھو مؤمن ولیس وراء ذلک من الایمان حبۃ خردل۔

تو ایسے لوگوں سے جو شخص ہاتھ یعنی قوت و طاقت سے جہاد کرے تو وہ مومن ہے۔ اور جو شخص زبان سے جہاد کرے تو وہ مومن ہے اور جو شخص دل سے جہاد کرے یعنی دل میں کڑھے، اس کی نیندیں حرام ہو جائیں۔ وہ اپنی بے بسی پر مضطرب اور بیکل رہے تو وہ بھی مومن ہے اور اگر ان تینوں حالتوں میں سے کوئی بھی نہیں ہے تو ایسا شخص جان لے کہ اس شخص کے دل میں رائی کے برابر بھی ایمان نہیں ہے۔ " وَلَيْسَ وَرَاءَ ذٰلِكَ مِنَ الْاِيْمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ ــــ اس حدیث میں " هُمْ " کی ضمیر مفعولی انتہائی قابلِ غور ہے۔ نبی اکرمؐ ان ناخلف جانشینوں کے خلاف جہاد کی تاکید فرما رہے ہیں جو مسندِ اقتدار پر بیٹھ کر منکرات کو فروغ دے رہے ہوں۔ جن کے عمل، جن کے طور طریقے، جن کا وطیرہ منکرات پر مشتمل ہو۔ جو ذرائع ابلاغ کو منکرات کی تشہیر و اشاعت کے لئے استعمال کر رہے ہوں۔ ان کی سرپرستی کر رہے ہوں اور ایسا ماحول اور ایسی فضا پیدا کرنے کا باعث بن رہے ہوں کہ اس میں معروفات سسک رہے ہوں اور منکرات فروغ پا رہے ہوں۔ معاشرہ جن کی بدولت سنڈاس بن گیا ہو ــــ ان حالات میں اگر مسلمان منکرات کے خلاف ہاتھ سے یا زبان سے یا دل سے جہاد نہ کرے تو الصادق المصدوق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے ایمان کی نفی فرمائی ہے۔ منکرات کے خلاف ایک بندۂ مومن کا صحیح طرزِ عمل کیا ہونا چاہیئے

اسے ایک اور حدیث سے بھی سمجھ لیجئے جس کو امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے:

من رأى منكم منكرا فليغيره بيده وان لم يستطع فبلسانه وان لم يستطع فبقلبه وذلك اضعف الايمان

"جو کوئی تم میں سے برائی کو دیکھے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اسے اپنے ہاتھ یعنی طاقت سے بدل دے۔ اگر وہ اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اپنی زبان سے اسے برا کہے اور اسے بدلنے کی کوشش کرے اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اسے دل سے برا جانے۔ اس پر دلی کرب محسوس کرے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔"

اس حدیث کے آخری ٹکڑے میں دوسری روایت میں وہی الفاظ آئے ہیں جو حضرت ابنِ مسعودؓ سے مروی ہے کہ: وليس وراء ذلك من الايمان حبة خردل ـــ یہ ہے ہمارے دین میں منکرات کے خلاف جہاد کی اہمیت۔ اگر صورتِ حال یہ ہو کہ ایک مسلمان نہ ہاتھ سے، قوت سے بُرائی کو بدلنے کی اجتماعی جد و جہد کا اپنے اندر داعیہ رکھتا ہو۔ نہ بُرائی کو بُرا کہنے کی ہمت پاتا ہو اور نہ ہی برائی کے خلاف اپنے دل میں کرب اور اضطراب اور نفرت و کراہیت کے جذبات رکھتا ہو تو ایسے شخص کو اپنے ایمان کی خیر منانی چاہیئے۔ فضائل کے بیان کی بھی اہمیت ہے۔ مجھے اس سے انکار نہیں۔ اس کے ذریعہ کچھ لوگ انفرادی طور پر نکوکار بن جائیں گے لیکن معاشرہ بحیثیت مجموعی ہرگز تبدیل نہیں ہوگا جب تک منکرات کے خلاف جماعتی سطح پر منظم جد و جہد اور جہاد نہ ہو۔

اگر جمعیت فراہم ہو جائے۔ تعداد بھی معتدبہ ہو۔ پھر وہ منظم ہو۔ تربیت یافتہ ہو تو اس دور میں منکرات کے استیصال اور معروفات کی ترویج کے لئے جہاد کی اور موجودہ دور کی اصطلاح کی رو سے انقلابی عمل کی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر نہ اسلامی نظام قائم ہوگا اور نہ کوئی صالح تبدیلی رونما ہوگی ـــ خالصتہً رضائے الٰہی کے حصول کیلئے ایسے بااصول اور جذبۂ قربانی سے سرشار لوگوں کی طاقت فراہم ہو جائے تو کسی منکر کو چیلنج کیجیئے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ۔ منظم قوت ہونی ضروری ہے۔ ہمیں حکومت ہرگز درکار نہیں۔ نہ حکومت کا کوئی منصب ہم کو چاہیئے۔ ہم صرف آخرت کے طالب ہیں: تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا

فَسَادًا ـــ انتخابات کی طرف ہم کبھی جائیں گے بھی نہیں۔ ہم ان مناصب پر تھوکتے ہیں۔ ہماری نگاہ میں ان کی پرِ کاہ کے برابر بھی کوئی حیثیت نہیں ـــ لیکن ہم اس پر عمل کرنے کی کوشش میں جان کی بازی لگانا اپنے لئے سعادت سمجھیں گے : وَالْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ـ ہمارا کام اور ہماری ذمّہ داری یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیں اور حدود اللہ کی حفاظت کے لئے ہر قسم کی قربانی کے لئے خود کو پیش کریں۔ اس آیت میں وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ فرما کر گویا اسلام کے پورے نظامِ حیات کو بالفعل قائم کرنے کی ذمّہ داری بھی عائد کر دی گئی ہے۔ اس فریضہ کو انجام دینے کی جدوجہد کرنے والوں کے لئے آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے: وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔ ان مؤمنینِ صادقین کے لئے آخرت میں فوز و فلاح کی بشارت ہے ـــ

اس سارے مسئلہ کی کلید سورۂ توبہ کی اس آیت میں موجود ہے اگر سیاسی حقوق کیلئے مظاہرہ ہو سکتا ہے تو دین نے جن کاموں کو منکرات قرار دیا ہے۔ ان کو چیلنج کیوں نہیں کیا جا سکتا! ہماری دینی قوّتیں جو منتشر ہیں وہ اسی انتخابی سیاست کی وجہ سے منتشر ہیں۔ ہر ایک اپنی بھیڑوں کو سنبھالنے کی فکر میں ہے تاکہ جب الیکشن کا مرحلہ آئے تو ہمارے ووٹوں کی تعداد سب سے زیادہ رہے۔ اسی لئے فقہی اختلافات کو زیادہ ہوا دی جاتی ہے اور باقاعدہ فرقہ واریت پیدا کر کے امّت کی وحدت کو نقصان پہنچایا جاتا ہے۔ اپنی اپنی بھیڑوں کے گلّے علیحدہ علیحدہ رہیں (IDENTIFIED) رہیں۔ ممیز رہیں۔ کہیں گڈمڈ نہ ہو جائیں لیکن انقلابی عمل کے مطابق کام ہوگا تو یہ ساری تقسیمیں ختم ہو جائیں گی۔ اس لئے کہ ان منکرات کے بارے میں کسی کے نزدیک کوئی اختلاف نہیں ہو سکتا۔

میں آج سوچ رہا تھا کہ کاش کبھی وہ وقت آئے کہ ہم ایک الٹی میٹم دیں کہ ہم ملک میں کسی عورت کی تصویر چھپنے نہیں دیں گے۔ کیا یہ دین کے اعتبار سے جائز ہے جو ہو رہا ہے کہ عورت کو ایک اشتہاری جنس بنا رکھا ہے۔! اخبارات کو دیکھ لیجئے۔ اشتہارات کو دیکھ لیجئے، مختلف مصنوعات کو دیکھ لیجئے ـ پھر کسی اور مسئلہ کو لیجئے، منکرات کی ترویج کی کوئی حد ہی نہیں ہے لیکن اس کے لئے شرط ہے اجتماعی منظم قوّت : وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ ۔ اس کے لئے وہ جمعیت درکار ہے جو ایک کمانڈ پر حرکت (MOVE) کرے۔ وہ اتنی منظم ہو کہ اگر وہ سڑکوں پر مظاہرہ

کے لئے آئے تو پوری ذمہ داری لے سکے۔ اس کا جلوس نکلے تو اس میں کوئی گڑبڑ نہ ہو۔ گڑبڑ کرنے والوں کے ہاتھ روکنے کا پورا انتظام ہو۔ یہ نہیں کہ جلوس تو ہم نے نکالا ہے لیکن کچھ اور لوگ آگئے ہیں۔ انہوں نے گڑبڑ کی ہے۔ یہ غلط ہے۔ اس لئے کہ آپ کی تنظیم نہیں۔ آپ کی جماعت نہیں۔ آپ لوگوں کے جذبات کو مشتعل کرتے ہیں۔ آپ کا اندرونی نظم و ضبط اس قدر مستحکم ہو کہ یہ گارنٹی دی جا سکے کہ اگر ہم جلوس نکالیں گے تو جو کچھ ہوگا اس کے ہم ذمہ دار ہوں گے۔ اس کام کے لئے ہجوم درکار نہیں ہے۔ یہ بڑا مبارک اور احسن کام ہے۔ اس میں کامیابی بھی اجر و ثواب کا باعث ہے اور رہی ناکامی تو اللہ کے دین کی راہ میں جان دینے سے بڑی کسی سعادت کا تصور نہیں کیا جا سکتا ــــ

بہرحال اس جہاد یا انقلابی عمل کے لئے جو جماعت درکار ہے۔ اس کے اوصاف امام ترمذی اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہما کی اس حدیث کے حوالے سے سمجھئے جس کے راوی ہیں حضرت حارث بن اشعریؓ۔ وہ کہتے ہیں کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا:ــــ

آمرکم بخمس بالجماعۃ والسمع والطاعۃ والھجرۃ والجہاد فی سبیل اللہ

میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں، التزام جماعت کا، سمع و طاعت کا، اور اللہ کی راہ میں ہجرت اور جہاد کا۔

ایک دوسری روایت میں 'امرکم بخمس' کے بعد الفاظ آئے ہیں: اللہ امرنی بھن "اللہ نے مجھے ان کا حکم دیا ہے۔

یہ ہے میری پرسوں کی گذارشات کا تکملہ اور تتمہ ــــ دعوت و تبلیغ اور تزکیہ و تربیت۔ یہ ہے جہاد بالقرآن۔ اگلے سارے مراحل ایک منظم جماعت کے ساتھ حق کے قیام کے لئے عملاً جد و جہد، کشمکش۔ باطل سے تصادم۔ اپنے اقتدار کے لئے نہیں۔ حصولِ حکومت کے لئے نہیں۔ صرف اللہ کے دین کے لئے: وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰہِ ــــ یہ ہے اس دور کی اصل ضرورت۔ بدقسمتی سے ۱۹۲۰ء میں اس کے لئے جو آخری کوشش ہوئی تھی، وہ ناکام ہوئی۔ اس کے بعد سے یہ تار ابھی تک

ٹوٹا ہوا تھا۔ اس دوران میں صرف ایک بیعت ہوئی ہے۔ لیکن وہ جزوی تھی۔ صرف فتنۂ قادیانیت کے استیصال کے لئے مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو امیرِ شریعت کا درجہ دے کر ان کے ہاتھ پر بیعت ہوئی ہے اور اس بیعت کرنے والوں میں کون کون شامل تھے! بیہقیٔ وقت حضرت مولانا انور شاہ کشمیری بھی ان میں شامل تھے۔ رحمۃ اللہ علیہ ـــ شاہ بخاریؒ کا اپنا خلوص و اخلاص اور اور قربانی و ایثار اپنی جگہ لیکن جہاں تک علم کا تعلق ہے تو شاہ بخاریؒ کو شاہ کشمیریؒ سے پاسنگ کی نسبت بھی نہیں تھی۔ لیکن پھر بھی شاہ کشمیریؒ، شاہ بخاریؒ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں ـــ

بہرحال میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ موجودہ زمانے کے مخالفانہ رنگ کے باوجود اس نے مجھے تنظیم اسلامی بیعت کے مسنون طریقے پر قائم کرنے کی ہمت دی۔ ایک انجمن ہے اس کے متعلق گفتگو پرسوں والی تقریر میں ہو چکی ہے لیکن میں نے جب انجمن قائم کی تھی تو اسی وقت اس کے دیباچہ میں لکھ دیا تھا کہ یہ میری آخری منزل نہیں ہے۔ یہ پہلا قدم ہے۔ میرا اصل ہدف ایک 'جماعت' قائم کرنا ہے اور اس کی تشکیل کے لئے میں نے بیعت کا تصور اسی وقت دے دیا تھا۔ ۱۹۷۲ء کی میری تحریر مطبوعہ شکل میں موجود ہے لیکن تنظیم اسلامی میں بیعت کا نظام اختیار کرنے کے بعد کچھ عرصہ یہ بات زبان پر لاتے ہوئے کچھ ہچکچاہٹ طاری رہی ـــ اور جب یہ بات میں نے انشراحِ صدر کے ساتھ ببانگِ دہل کہی تو نہ جانے کہاں کہاں سے صدائیں اٹھیں ؎

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

کوئی رسالے میں لکھ رہا ہے اور حکومت کو اشارے کر رہا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بغاوت ہے۔ کچھ علماء بھی اس میدان میں آ گئے اور بیعت کے خلاف اخباری بیانات جاری ہو گئے۔ اللہ کا شکر ہے کہ ان علماء سے رجوع کرنے کی ہمت اور توفیق اس نے مجھے عطا فرمائی۔ اور مولانا سید حامد میاں مدظلہٗ کو اللہ تعالیٰ نے کلمۂ حق کہنے کی جرأت عطا فرمائی۔ کیوں؟ خلیفہ مجاز کس کے ہیں اس بطلِ حریت اور پیکرِ تقویٰ و طہارت

کے جن کا نام ہے ۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ ـــــ مولانا حامد میاں نے برملا کہا کہ یہ بیعت جہاد ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور اس میں افضل مفضول کے ہاتھ پر بیعت کر سکتا ہے ۔ اس کے لئے انہوں نے مثالیں بھی دیں ۔

بہر حال میں نے کوشش کی ہے کہ اس دعوت اور تحریک کا ایک خاکہ آپ حضرات کے سامنے رکھ دوں ۔ آگے ہر شخص کا اپنا معاملہ ہے ـــ میں نے اپنے طور پر تحقیق و تفتیش کی تھی کہ ۱۹۲۰ء میں حضرت شیخ الہندؒ نے مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کے ہاتھ پر بیعتِ جہاد کی تحریک کی تھی ۔ میں اپنی تحقیق کے حاصل کو تحریر کر چکا ہوں ۔ مولانا آزاد مرحوم کے متعلق میرا آج تک جو موقف رہا ہے ۔ اسے میں چند لفظوں میں بیان کر رہا ہوں ۔ میری ساری دلچسپی صرف اس ابوالکلام آزاد سے رہی ہے، اب بھی ہے اور ان شاء اللہ کبھی ختم نہیں ہوگی، جو ۱۹۱۲ء سے ۱۹۲۰ء تک نظر آتا ہے۔ رہا بعد کا ابوالکلام تو صحیح صورتِ حال بھی معلوم نہیں ۔ میرا تجزیہ یہ ہے کہ علماء کی مخالفت کے نتیجے میں مولانا بددل ہو گئے ۔ چونکہ اس زمانے میں علماءِ کرام کا کنٹرول بہت شدید تھا اور کسی کے لئے بات کرنی ممکن نہیں تھی اگر اس کے پیچھے علماء کی تائید نہ ہو ۔ آج یہ بات نہیں ہے ـــ بہر حال میرے خیال میں انہیں بددل نہیں ہونا چاہیئے تھا ۔ دیکھنا یہ ہے کہ حق کیا ہے ؟ کوئی ساتھ دے یا نہ دے ۔ آدمی کو حق کے راستہ پر ہی ڈٹا رہنا چاہیئے ۔ مولانا آزاد کی شخصیت کا یہ پہلو بھی میرے لئے قابلِ احترام ہے اور میں نے بارہا اسے بیان بھی کیا ہے کہ پاکستان بننے کے بعد پاکستان کے ساتھ ان کا رویہ خیر خواہانہ رہا ہے وہ اس کے مؤید رہے ہیں ۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ اختلافِ رائے کا ایک علیحدہ معاملہ تھا پاکستان بننے کے بعد وہ ختم ہو گیا ۔ اب جبکہ پاکستان وجود میں آگیا تو یہ اسلام کا قلعہ ہے ۔ اگر خدانخواستہ اس کو گزند پہنچا تو اسلام کو گزند پہنچے گا ۔ ان کی سیرت کا یہ روشن پہلو ہے ۔ میں یہ باتیں تفصیل کے ساتھ 'میثاق' میں لکھ چکا ہوں ـــ توقع ہے کہ آج کی مجلس کے صدر مولانا سعید احمد اکبر آبادی مدظلہٗ، مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کی شخصیت پر سیر حاصل روشنی ڈالیں گے۔

اقول قولی هذا واستغفر الله لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات ـــ واٰخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین!

کیا ایرانی انقلاب اسلامی انقلاب ہے؟

محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب مدظلہٗ نے ۳۱ اگست ۸۴ء کو "کیا پاکستان میں ایرانی طرز کا انقلاب ممکن ہے؟" کے موضوع پر تقریر فرمائی تھی جو 'میثاق' جنوری ۸۵ء کے شمارے میں شائع ہو چکی ہے ۔۔۔ اس سلسلۂ کلام کا دوسرا موضوع تھا "کیا ایرانی انقلاب اسلامی انقلاب ہے؟" اس پر امیر موصوف نے ۲۸ ستمبر ۸۴ء کو تقریر فرمائی تھی۔ چونکہ قریباً ایک ماہ کا وقفہ پڑ گیا تھا لہٰذا اس تقریر میں انہوں نے ابتداءً سلسلۂ کلام کا ربط قائم کرنے کے لئے سابقہ تقریر کا خلاصہ بھی پیش فرمایا تھا لیکن چونکہ یہ تقریر 'میثاق' کے جنوری ۸۵ء کے شمارے ہی میں شائع ہو چکی ہے لہٰذا اس خلاصہ میں سے چند اہم نکات کے سوا بقیہ حصہ اس تقریر میں شامل نہیں کیا جا رہا ہے۔"

جمیل الرحمٰن

الحمد للہ ۔ الحمد للہ وکفٰی والصلوٰۃ والسلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی ۔ خصوصاً علٰی افضلھم وخاتم النبیین محمدٌ الامین وعلٰی آلہ واصحابہ اجمعین ۔ اما بعد :

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝

وقال تبارک وتعالٰی فی سورۃ الشوریٰ :

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ وَمَا وَصَّیْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰٓی اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ ؕ

وقال اللہ عزوجل فی سورۃ الصف

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ ۝

وقال سبحانہ وتعالٰی فی سورۃ الانفال :

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ۔ اما بعد

فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اَلْمُجَاهِدُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ يُّقَاتِلُ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ـــ

اوکما قال صلی اللہ علیہ وسلم)

رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ۔

اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا الهمنا رشدنا واعذنا من شرور انفسنا۔ اَللّٰهُمَّ ارنا الحق حقًا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه۔ اَللّٰهُمَّ وفقنا ان نقول بالحق اينما كنا لا نخاف فى الله لومة لائم

آمین یا رب العلمین!

میں نے گذشتہ تقریر میں Coup اور Revolution کے درمیان جو فرق ہے اسے وضاحت سے بیان کیا تھا۔ اس پس منظر میں میری پختہ رائے ہے کہ ایران کا انقلاب حقیقت میں انقلاب نہیں بلکہ اپنی Methodology کے اعتبار سے Coup ہے۔ میں نے تفصیل سے گذشتہ تقریر میں بیان کیا ہے اور آج پھر اس کا اعادہ کر رہا ہوں کہ پاکستان کی اینٹی بھٹو تحریک اور ایران میں اینٹی شاہ تحریک یہ دونوں ایک دوسرے سے بہت مشابہ بھی تھیں اور متوازی بھی جو برپا ہوئیں۔

خارجی عامل

میں اس میں اس موقع پر اس بات کا اضافہ کر رہا ہوں کہ بین الاقوامی سطح پر ان دونوں تحریکوں کو امریکہ کی شہ اور اس کی پشت پناہی حاصل تھی اور دونوں میں امریکہ کا پیسہ بے دریغ استعمال ہوا تھا ـــــ بعد میں خود امریکہ نے اس پر کفِ افسوس مَلا ہے۔ اس وقت چونکہ امریکہ میں ڈیموکریٹس کی حکومت تھی اور 'جمہوریت' ان کے نزدیک مذہب کی حیثیت رکھتی ہے۔ حریت ان کا Creed ہے۔ اس کے باعث انہوں نے اس وقت ان تحریکوں کو تقویت پہنچائی ـــ بھٹو صاحب بھی یہ کہتے ہوئے دنیا سے گئے ہیں کہ میری پیٹھ میں چھرا امریکہ نے گھونپا ہے اور شاہ بھی یہی فریاد کرتا ہوا دنیا سے گیا ہے کہ میری حکومت کا تختہ اصل میں امریکہ نے الٹا ہے ـــ لہٰذا خارجی اعتبار سے بھی اس میں یہ مشترک عامل موجود رہا ہے۔

داخلی محرکات داخلی اعتبار سے اصل میں یہ تحریکیں کیا تھیں! یہ ناپسندیدہ حکمرانوں کے خلاف ایک ردِّ عمل تھا ـــــ یہ ناپسندیدگی مختلف طبقات کو مختلف اعتبارات سے تھی۔ چند سرمایہ داروں کو اس وجہ سے تھی کہ ان کی پالیسیوں سے ان کو نقصان پہنچا ہے۔ کارخانہ داروں کو اس اعتبار سے تھی کہ ان کے مفادات کو بھی ان کی پالیسیوں سے زک پہنچی ہے۔ زمینداروں کو بھی صحیح یا غلط یہ اندیشہ تھا کہ کہیں ہمارے مفادات پر آنچ نہ آجائے۔ مذہبی لوگوں کو اس لحاظ سے تھی کہ بعض مذہبی معاملات میں دخل دیا گیا ہے اور اس طرح معاشرتی سطح پر اباحیت اور بے پردگی کا رواج ہو رہا ہے۔ جمہوریت پسند لوگوں کی ناپسندیدگی اس بنا پر تھی کہ جمہوریت قائم نہیں ہے بلکہ آمریت ہے۔ الغرض یہ مختلف اسباب تھے جن کی بنا پر چھ Shades of Opinions تھے جو یہاں بھٹو صاحب کے خلاف جمع ہوئے اور وہی چھ نقطہ ہائے نظر و آرا تھیں جو ایران میں شاہ کے خلاف مجتمع ہوئیں۔ گذشتہ تقریر میں ان کو تفصیل سے بیان کر چکا ہوں ـــــ ان تمام نقطہ ہائے نظر میں بُعد المشرقین تھا اور ہے۔ لیکن ان سب میں پاکستان میں بھٹو صاحب اور ایران میں شاہ سے شدید ناپسندیدگی کا عنصر قدرِ مشترک کے طور پر شامل تھا۔ لہٰذا ابتداءً دونوں جگہوں پر حکمرانِ وقت کو اقتدار سے بے دخل کرنے کے لئے سیاسی تحریکیں شروع ہوئیں۔ لیکن جیسا کہ میں پچھلی مرتبہ عرض کر چکا ہوں کہ جب ایسی تحریکیں قربانیاں دینے کے مرحلہ میں داخل ہوتی ہیں اور جب Confrontation کا وقت آتا ہے اور لوگوں کو جانیں دینے پر آمادہ کرنا ہوتا ہے تو دین و مذہب کا نام لئے بغیر مسلم ممالک میں کوئی اور چارۂ کار نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں "پاکستان قومی اتحاد" نے "نظامِ مصطفیٰ" کی تحریک کی شکل اختیار کی۔ حالانکہ اصلاً اس قومی اتحاد میں "اسلام" کا نام تک شامل نہیں تھا۔ وہ تو ایک خالص سیاسی و قومی تحریک تھی۔ اسی مقصد کے لئے نہ صرف مختلف بلکہ بالکل متضاد نظریات کی حامل سیاسی پارٹیوں کا 'اتحاد' عمل میں آیا تھا جس کا اصل مقصد پیپلز پارٹی بلکہ اصلاً بھٹو صاحب کو اقتدار سے بے دخل کرنا تھا۔ وہاں ایران میں بھی اصلاً تحریک شاہ کو اقتدار سے بے دخل کرنے کی غرض سے برپا ہوئی تھی۔ اس کا پہلے کیا نام تھا! اس کے متعلق مجھے علم نہیں ہے۔ لیکن جب وہاں بھی تحریک باقاعدہ تصادم کے مرحلہ میں داخل ہوئی تو اس میں دین و مذہب کا نعرہ شامل ہوا۔

مشترک عوامل چنانچہ ان دونوں تحریکوں میں چار چیزیں مشترک تھیں۔ پہلی خارجی مداخلت دوسری چیز اصل تحریک ناپسندیدہ حکمرانوں کے خلاف تھی جس میں چھ Shades of Opinions شامل تھے۔ تیسری چیز ان تحریکوں کا دین و مذہب کی طرف آنا تھا۔ چوتھی چیز مشترک یہ تھی کہ جب اسلام کا نام لینا ہے اور اس کی اپیل پہ عوام الناس کو قربانیاں دینے پر آمادہ کرنا ہے تو ظاہر بات ہے کہ کسی مذہبی شخصیت کی قیادت بھی ضروری ہے۔ لہٰذا مفتی محمود مرحوم و مغفور یہاں پر اس کے قائد بنے لیکن یہاں ان کی قیادت ایک علامتی (Symbolic) قیادت تھی حقیقی قیادت نہیں تھی۔ مفتی صاحب مرحوم کو نہ پیر پگارا صاحب اپنا حقیقی لیڈر مان سکتے تھے، نہ اصغر خان صاحب نہ ولی خان صاحب، نہ جماعتِ اسلامی اور نہ مولانا نورانی میاں ــــ لیکن ایران میں یہ قیادت ایک ایسی شخصیت کے ہاتھ میں آگئی جو فی الواقع اپنی ذاتی حیثیت میں بھی اور ایران کے اندر علماء کا جو نظام ہے اس کے اندر اپنے مقام و مرتبہ کے اعتبار سے بھی وہ اس پوزیشن میں تھی کہ جب اس کے ہاتھ میں تحریک کی قیادت آئی ہے تو وہ صرف ایک علامتی قیادت نہیں تھی بلکہ وہ ایک حقیقی و واقعی قیادت (Real Leadership) بن گئی تھی۔

مختلف نتائج کے اسباب یہاں سے وہ فرق شروع ہو گیا کہ جس کے نتائج مختلف نکلے جب ہمارے یہاں تحریک کامیابی سے ہمکنار ہونے کے قریب ہوئی اور بھٹو صاحب کے اقتدار کی کرسی جس کی مضبوطی پر ان کو بڑا غرّہ تھا ڈانواڈول ہونے لگی تو آرمی نے Coup کیا اور اقتدار پر قبضہ کر لیا اور سارے کے سارے نو ستارے ٹاپتے رہ گئے اور اب آٹھویں سال شروع ہوئے بھی قریباً تین ماہ گزر چکے ہیں۔ جبکہ اس Coup کے فوراً بعد کہا یہ گیا تھا کہ نوّے دن بعد الیکشن کرا کے اقتدار ملک کے منتخب نمائندوں کو سونپ دیا جائے گا۔ اب دیکھا چاہیئے کہ وہ نو ستارے کب تک منتظر رہیں گے۔ وہی مثل بڑی حد تک صادق آتی ہے کہ دو بلیاں لڑتی رہیں اور بندر ان کے بیچ میں سے پوری روٹی اڑا لے گیا! وہاں ایران میں یہ معاملہ ہوا کہ شاہ کے ساتھ ساتھ آرمی سے بھی وہاں برابر کی نفرت تھی۔ لہٰذا فوج کے لئے اس کا امکان ہی نہیں تھا کہ وہ اقتدار پہ قابض ہو سکے۔ وہاں دوسرا جو منظم ادارہ تھا وہ علماء کا تھا۔ جسے میں گذشتہ تقریر میں تفصیل سے بیان کر چکا ہوں۔ علماء کا یہ ادارہ اور نظام

انتہائی منظم اور Well graded and well define تھا۔
اس نے آگے بڑھ کر اقتدار پر قبضہ کر لیا چنانچہ یہ Coup by Clergy تھا ـــــ ہمارے یہاں یہ صورت حال نہ پہلے موجود تھی اور نہ اب موجود ہے۔ لہٰذا میرے نزدیک جن لوگوں کی نگاہ اس فرق پر نہیں ہے تو وہ حضرات اس قسم کی بچگانہ اور سطحی باتیں کہہ رہے ہیں جو مسلم انسٹیٹیوٹ لندن کے روحِ رواں ڈاکٹر کلیم صدیقی صاحب نے اس سیمینار میں اپنے افتتاحیہ خطبہ میں کہی ہیں جو "پاکستان کا مستقبل" کے موضوع پر اگست کے اواخر میں منعقد ہوا تھا۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے از راہِ کرم اپنے اس خطبہ کی اردو اور انگریزی کی ایک کاپی مجھے بھی بھیج دی ہے ـــــ امریکہ کے دورے سے واپسی پر مجھے معلوم ہوا کہ اسی قسم کی باتیں اس کانفرنس میں بھی کہی گئی ہیں جو میری غیر حاضری کے دوران لاہور کے فلیٹیز ہوٹل میں منعقد ہوئی تھی کہ "پاکستان کے مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ امام خمینی صاحب کی قیادت کو قبول کریں، انہی کو اپنا امام تسلیم کریں، اپنے یہاں کے تمام دینی کام بند کریں اور اسی رُخ اور ان ہی کی قیادت میں پاکستان میں اسی نہج کا اسلامی انقلاب برپا کرنے کی کوشش کریں جس نہج کا ایران میں برپا ہوا ہے" ـــــ ان حضرات کی نگاہ نہ اس فرق پر ہے جو میں نے گذشتہ تقریر میں بیان کیا تھا اور نہ ان مسائل پر ہے جو شیعہ اور سنیوں میں بنیادی طور پر مابہ الاختلاف و امتیاز ہیں۔ ان کا ذکر میں ان شاء اللہ آگے چل کر کروں گا۔

مرعوب ذہنیت کا تجزیہ

اس موقع پر میں اپنا ایک تجزیہ اور تأثر بھی بیان کر دوں وہ یہ کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ۱۹۱۲ء سے لے کر ۱۹۲۰ء تک والے مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے الہلال اور البلاغ کے ذریعہ حکومتِ الٰہیہ کے قیام کی نہایت پر زور دعوت دی تھی لیکن چند موانع کے باعث انہوں نے اپنا راستہ تبدیل کر لیا تھا اور تقریباً ۱۹۲۲ء سے کانگریس کے پلیٹ فارم سے ان کی تمام تر مساعی کا ہدف استخلاصِ وطن ہو گیا تھا۔ لیکن ۱۹۳۲ء سے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم و مغفور نے اپنے ماہنامے ترجمان القرآن کے ذریعے اس دعوت کی تجدید کی اور "اسلامی انقلاب" کا تصور اور فکر مدلّل طور پر پیش کرنا شروع کیا۔ جس کے نتیجہ میں ۱۹۴۱ء میں انقلابی طرز کی جدوجہد کے لئے جماعتِ اسلامی قائم ہوئی اور اس نے غیر منقسم ہندوستان میں پورے جوش و جذبے کے ساتھ جدوجہد کا آغاز بھی کر دیا ـــــ میرا موقف یہ ہے اور جس سے اختلاف ممکن ہے ـــــ کہ قیامِ پاکستان کے بعد مولانا مودودی ہی کی قیادت میں جماعتِ اسلامی نے پاکستان میں جو

رخ اور نہج اختیار کیا وہ بجائے انقلابی کے انتخابی سیاست کا ہو گیا تھا۔ سیاسی انتخابی عمل کے ذریعہ اس نے اس مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش کی کہ پاکستان میں اسلام کا غلبہ ہو جائے۔ ـــ اور میرا جماعت کے ساتھ یہی بنیادی اختلاف واقع ہوا اور آج نہیں بلکہ ۵۶ء کے اواخر میں میں اس نتیجہ پر پہنچ چکا تھا کہ جماعتِ اسلامی انقلابی منہج کے بجائے سیاسی و انتخابی راہ پر پوری طرح گامزن ہو چکی ہے۔ چنانچہ میں نے جماعت کا رکن رہتے ہوئے اپنے موقف کی وضاحت کے لئے اپنی استعداد کے مطابق دلائل کے ساتھ اپنا ایک تحریری بیان بھی جماعت کی قائم کردہ جائزہ کمیٹی کے سامنے پیش کر دیا تھا اور اسی کو فروری ۵۷ء کے جماعت کے سالانہ اجتماع منعقدہ ماچھی گوٹھ میں پیش کرنے کی کوشش کی تھی[1] ـــ میرے نزدیک اسی انتقال و انحرافِ طریق کار کے باعث جماعت ایک دلدل میں پھنس چکی ہے کہ سینتیس[2] سالوں کی جدوجہد کے باوجود نہ اس کے ہاتھ کچھ آیا ہے اور نہ آنے کی کوئی توقع ہے بلکہ منزل دور سے دور تر ہوتی نظر آ رہی ہے۔ اصل میں یہی وہ شکست خوردہ ذہنیت ہے کہ جماعتِ اسلامی کے چند اہم حضرات ایران کے انقلاب سے بہت مرعوب ہوئے ہیں اور نفسیاتی طور پر صورت وہی ہوئی ہے کہ ؎

یارانِ تیز گام نے محمل کو جالیا ہم محوِ نالۂ جرسِ کارواں رہے

اسی مرعوبیت کا ایک نمایاں مظہر یہاں لاہور میں جناب سید اسعد گیلانی صاحب کی شخصیت ہے جو فی الوقت جماعتِ اسلامی کی صفِ اوّل کے اکابر میں شمار ہوتے ہیں۔ اسی طرح ڈاکٹر کلیم صدیقی صاحب کے متعلق بھی میں آپ کو بتا دوں کہ وہ جماعتِ اسلامی کے ایک دانشور رہے ہیں۔ کراچی میں ان کا جماعت سے تعلق رہا تھا پھر لندن جا کر بھی پہلے ان کا وہاں کی جماعتِ اسلامی کے حلقہ کے ساتھ سرگرم اور فعال نوعیت کا تعلق رہا ہے۔ بہرحال اب ان کا جماعت سے کوئی تعلق نہیں بلکہ وہ فی الوقت جماعت کے ناقدین میں شامل ہیں۔

اس طرزِ فکر کا پس منظر

ان باتوں کا بھی ایک پس منظر ہے۔ وہ یہ کہ جماعت کے ابتدائی لٹریچر نے کارکنوں کے قلوب و اذہان میں اسلامی

---

[1] یہ بیان "تحریک جماعتِ اسلامی ـــ ایک تحقیقی مطالعہ" کے عنوان سے مطبوعہ شکل میں موجود ہے۔ (مرتب)

انقلاب کا جو جذبہ پیدا کیا تھا اس کی جب تسکین نہ ہو پائی اور اپنے کئے کچھ نہ ہو سکا تو اب جیسا تیسا بھی اسلام کے نام پر کہیں کوئی "انقلاب" آ گیا ہے اس سے ایسے حضرات شدید قسم کی مرعوبیت اپنے ذہنوں میں محسوس کر رہے ہیں اور اس کے آرزومند ہی نہیں بلکہ داعی ہیں کہ پاکستان میں ایران کی طرز پر انقلاب لانے کی جدوجہد کی جائے۔ ایسے حضرات نے گہرائی اور گیرائی میں جا کر شاید ہی غور و فکر اور تجزیہ کیا ہو کہ ایرانی انقلاب کی اصل نوعیت کیا ہے۔ اور آیا وہ ہمارے لئے قابلِ تقلید ہے یا نہیں! پھر یہ کہ ہمارے حالات میں اور ایران کے حالات میں کیا فرق و تفاوت ہے جس کی بنا پر اس طرز کا انقلاب پاکستان میں برپا کرنا ممکن ہی نہیں۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ پاکستان میں بھی ایرانی طرز کا انقلاب آ سکتا ہے، ان کے متعلق میں یہ عرض کرنے کی اجازت چاہوں گا کہ میرے نزدیک یہ حضرات اجتماعیات اور پولیٹیکل سائنس کے مبادیات تک سے ناواقف ہیں۔ اس موضوع پر میں گذشتہ تقریر میں تفصیل سے گفتگو کر چکا ہوں۔ مزید یہ کہ ان سب سے بڑھ کر قابلِ غور بات یہ ہے کہ اسلامی انقلاب کے نام سے ایران میں جو تبدیلی آئی ہے وہ عین اسلام کے مطابق ہے بھی یا نہیں اور آیا وہ محض شیعی نوعیت کی تبدیلی تو نہیں ہے؟

اہلِ سنّت اور اہلِ تشیع کے اساسی، بنیادی اور اصولی اختلافات

اب آئیے اصل موضوع کی طرف ــــ وہ یہ کہ "کیا ایرانی انقلاب 'اسلامی انقلاب' ہے؟" اس بارے میں بنیادی بات یہ جان لیجئے کہ اگرچہ "لفظ اسلام" مشترک ہے لیکن حقیقت کے اعتبار سے شیعہ اسلام اور سنّی اسلام میں بہت بڑا فرق ہے۔ بڑا اساسی و اصولی فرق ہے۔ یہ کسی طور پر بھی ایک اسلام قرار نہیں پا سکتے۔ یہ دو اسلام ہیں۔ بلکہ میرے نزدیک اسلام میں درحقیقت فرقے ہی صرف دو ہیں۔ اہلِ سنّت اور اہلِ تشیع۔ اہلِ سنّت میں جن کو فرقے سمجھ لیا گیا ہے وہ درست نہیں ہے۔ اس میں ہماری کوتاہ نظری اور بعض یگانوں کے تشتّت کا بڑا دخل ہے۔ دراصل ہمارے یہاں فرقے نہیں بلکہ مختلف مکاتبِ فقہ و مسلک ہیں جن میں بعض فروعی مسائل کے استنباط میں تعبیر، رائے اور استدلال میں اختلاف واقع ہوا ہے جو بالکل فطری امر ہے۔ اصل الاصول ہمارے تمام مسالک کے نزدیک متفق علیہ ہے۔

پہلا اختلاف

لیکن اہلِ سنّت اور اہلِ تشیع کے مابین اصل الاصول ہی میں نہایت اساسی اور بنیادی اختلافات ہیں ــــ تین امور خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں جو اہلِ سنّت

اور اہلِ تشیع کے مابین ما بہ الاختلاف اور ما بہ النزاع ہیں۔ ان میں سے ایک معاملہ "فقہ" کا ہے۔ ان کے یہاں مشہور و معروف دو فقہیں ہیں۔ فقہ جعفری اور فقہ زیدی۔ چونکہ اہلِ تشیع میں اثنا عشری شیعوں کی عظیم اکثریت ہے۔ زیدی شیعہ یمن کے علاوہ شاید ہی کہیں قابلِ لحاظ تعداد میں موجود ہوں۔ لہٰذا ان کے یہاں فقہ جعفری ہی متداول ہے۔ ہم اہلِ سنّت کے یہاں چار فقہیں رائج ہیں اور ان میں اہلِ حدیث مسلک شامل کر لیا جائے تو پانچ فقہیں بن جائیں گی: فقہ حنفی، فقہ مالکی، فقہ شافعی، فقہ حنبلی اور پانچویں جسے اہلِ حدیث حضرات مسلک سلفی کہتے ہیں۔

میرے محدود مطالعہ کے رو سے فقہ جعفری میں دو بہت بڑے نقائص ہیں۔ پہلا یہ کہ اس میں متعہ جیسا گھناؤنا مسئلہ شامل ہے اور دوسرا یہ کہ ان کی فقہ جن روایات پہ قائم ہے ان کا سلسلہ حضرت محمد باقر اور ان کے صاحبزادے حضرت جعفر صادق رحمہم اللہ سے آگے شاید ہی چلتا ہو۔ تاہم میری ذاتی رائے میں اکثر و بیشتر مسائل میں فقہ جعفری اور ہماری اہلِ سنّت میں کوئی بڑا اختلاف نہیں ہے۔ عقائد کی بات بالکل مختلف ہے۔ اس میں بڑے بنیادی اور اصولی اختلافات ہیں جو اہلِ سنّت کے اسلام کو شیعی اسلام سے بالکل جدا جدا کر دیتے ہیں۔ ان کا ذکر آگے آئے گا۔

بایں ہمہ اگر کسی ایسے ملک میں جہاں کی اکثریت اہلِ سنّت پر مشتمل ہو اور وہاں شیعہ بھائی بھی موجود ہوں، اگر وہاں بھی جب بھی اسلامی نظام کی تنفیذ کا مرحلہ آئے گا تو میرے نزدیک فقہی اختلاف اس میں رکاوٹ نہیں بن سکتا۔ یہ تو اصل میں سیاسی نوعیت کی تحریکیں ہیں جو ابھرتی رہی ہیں اور ان اختلافات کو ہوا دیتی ہیں اسی کو کچھ لوگوں نے بہانہ اور دلیل بنا رکھا ہے۔ اسلامی نظام کی ترویج و تنفیذ کے خلاف کہ کس کا اسلام! جہاں تک شخصی قانون اور فقہ کا تعلق ہے، میری رائے میں اگر اہلِ سنّت کے جملہ فقہوں کے ساتھ فقہ جعفری بھی شامل کر لی جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ آخر اسلام خالص غیر مسلموں کو بھی ان کے شخصی معاملات میں آزادی دیتا ہے۔

دوسرا اختلاف البتہ جو دوسرا اختلاف ہے۔ ویسے اصولی اعتبار سے تو اس کی اہمیت زیادہ نہیں ہے لیکن جذباتی اعتبار سے شدید ترین تلخی (Bitterness) کی بنیاد وہی ہے۔ یہ اختلاف تاریخ کے بارے میں اہلِ تشیع کا یہ نقطۂ نظر ہے کہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی خلافتیں غاصبانہ خلافتیں تھیں، اصل میں خلافت کے حق دار حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ اگر اختلاف صرف فضیلت تک محدود

رہتا تو گوارا تھا۔ جیسے زیدی شیعہ اس بات کے قائل رہے ہیں کہ امت میں افضل ترین ہیں حضرت علیؓ اور انہی کا حق تھا کہ پہلی خلافت انہیں ملتی لیکن وہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کی خلافت کو غاصبانہ نہیں کہتے۔ وہ انہیں بھی تسلیم کرتے ہیں۔ ان کا موقف یہ ہے کہ امت نے ایک فیصلہ کیا جس کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی قبول کر لیا تھا۔ لہٰذا ٹھیک ہے افضل کے ہوتے ہوئے بھی مفضول کی خلافت قائم ہو سکتی اور تسلیم کی جا سکتی ہے۔ اگر زیدی شیعوں کے نقطہ نظر تک معاملہ رہے تو اس میں تلخی نہیں ہے۔

ایک اتفاق: یہاں ایک بات کی وضاحت ضروری ہے وہ یہ کہ ۳۱ اگست کو میں نے "کیا پاکستان میں ایرانی طرز کا انقلاب ممکن ہے؟" کے موضوع پر تقریر کی اور اس ارادے کا اظہار کیا تھا کہ آئندہ میں اس موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کروں گا کہ "کیا ایرانی انقلاب، اسلامی انقلاب ہے؟" ان موضوعات پر اظہارِ خیال کی ضرورت میں نے کیوں محسوس کی تھی اس کا پس منظر اور پیش منظر میں اپنی پہلی تقریر میں بیان کر چکا ہوں ـــــ لیکن آج جو موضوع زیرِ گفتگو ہے اس میں اور پچھلی تقریر میں قریباً ایک ماہ کا وقفہ پڑ گیا۔ اس میں میرے کسی ارادے کو دخل نہیں تھا۔ مشیتِ الٰہی یہی تھی۔ ستمبر کے پہلے جمعہ کو عید الاضحیٰ واقع ہو گئی ـــ دوسرے جمعہ کو میں نے 'انقلاب' کے موضوع پر عمومی نوعیت کے چند امور بیان کئے۔ اسی جمعہ کی شب کو میری کمر میں شدید درد اٹھا جس نے مجھے صاحب فراش کر دیا۔ میری یادداشت کے مطابق شاید یہ پہلا موقع تھا کہ لاہور میں موجود ہوتے ہوئے میں مسلسل دو جمعوں کو مسجد دارالسلام میں حاضر نہ ہو سکا۔ اس کا سبب محض علالت رہا ہے ـــــ آج اس موضوع پر اظہارِ خیال کرنے کا موقع ملا ہے جس کا اعلان میں قریباً ایک ماہ قبل ہی کر چکا تھا یعنی ایرانی انقلاب اپنی حقیقت اور روح کے اعتبار سے 'اسلامی انقلاب' ہے یا نہیں! اب یہ مشیت الٰہی ہے کہ اس موضوع پر اظہارِ خیال کا جب موقع ملا تو ماہ محرم الحرام شروع ہو چکا ہے۔ حالانکہ میرے حاشیۂ خیال میں بھی اس موضوع کا محرم سے کوئی تعلق نہ پہلے تھا اور نہ اب ہے۔

ایک وضاحت: بہرحال جب بھی محرم شروع ہوتا ہے تو اتحاد کے لئے زعماء اور اکابر کی جانب سے بڑے بڑے بیانات آیا کرتے ہیں اور حکومت کی طرف سے نصیحتیں ہوتی ہیں اور اہل سنت و اہل تشیع کے علماء کی کمیٹیاں بنا کرتی ہیں اور اکثر وہی حضرات جو ایک دوسرے کی انتہائی کاٹ کرتے ہیں، جمع ہو کر اتحاد اور اخوت کی اپیلیں شائع کرتے ہیں، لہٰذا میں

وضاحت کر دینا چاہتا ہوں کہ میری آج کی تقریر خالصتہً واقعتی اور حقیقی مسائل سے متعلق ہے۔ میرے پیشِ نظر کسی نوع کی وقتی اور ہنگامی کشیدگی یا تلخی پیدا کرنا ہرگز نہیں ہے۔

مستقل تلخی کا حقیقی سبب

اگر کوئی شخص یا کوئی گروہ محض فضیلتِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قائل ہو لیکن شیخین اور ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے احترام و توقیر کا بھی مقر ہو تو محض یہ بات تلخی کا سبب نہیں بن سکتی اور نہ ہی فقہ جعفری اس کا باعث ہے بلکہ اصل بنائے تلخی یہ چیز ہے کہ اہلِ تشیع کی جانب سے چار اہلبیت اور بعض اصحابِ رسولؐ[1] کو چھوڑ کر تمام کبار صحابہ کرام و عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی نیت، اخلاص و خلوص اور شخصیت پر جو تبرّا بھیجا جاتا ہے، جو ان پر چھینٹے اڑائے جاتے ہیں، جن کی شان میں جو نہایت رکیک الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ اوّلین تین خلفاء راشدین کی خلافت کو جو درحقیقت دورِ رسالت کا مکمل ترین نمونہ اور تتمہ تھی اور جو علیٰ منہاج النبوّۃ خلافتِ راشدہ تھی اسے غاصبانہ خلافت قرار دیا جاتا ہے۔ چار صحابہؓ کو چھوڑ کر تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو منافق، غاصب، سازشی، حتیٰ کہ مرتد قرار دیا جاتا ہے، یہ مستقل طرزِ عمل سُنّیوں کو کسی طور پر بھی گوارا نہیں ہے۔ یہ چیز ان کی حمیّت و غیرت دینی کو للکارنے والی ہے۔ یہ صحابہؓ کون ہیں! ان میں شامل ہیں، عشرہ مبشرہ بھی، انصارِ مدینۃ النبی بھی شامل ہیں اور اصحابِ بدر بھی، ان میں اصحاب بیعتِ رضوان (اصحاب شجرہ) بھی شامل ہیں اور فتح مکّہ سے قبل اور بعد مشرف بہ اسلام ہونے والے مخلص اور صادق القول اصحاب رسول بھی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم — جن کے متعلق قرآنِ حکیم میں تین مقامات پر فیصلہ ربّانی یہ ہے کہ: رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (المائدہ - المجادلہ - البیّنہ) اور جن کی مدح میں فرمایا گیا: وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

---

[1] اہلِ تشیع کی روایات کے مطابق حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرات حسنین نیز حضرت مقداد بن اسود، حضرت سلمان فارسی، حضرت ابوذر غفاری اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے سوا معاذ اللہ ثم معاذ اللہ تمام اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ کی وفات کے بعد مرتد ہو گئے تھے۔ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ۔ (مرتب)

(حاشیہ نمبر۲ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

ایک اصولی بات: اس موقع پر یہ اصولی بات بھی اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے کہ اگر معاملہ صرف افضلیت کا زیدی موقف کے مطابق رہتا تو یہ کسی حد تک گوارا کیا جا سکتا تھا۔ حضرت علیؓ سے قبل کے خلفاء راشدین کی بالترتیب افضلیت کو تسلیم کرنے پر کسی کو مجبور نہیں نہیں کیا جا سکتا لیکن معاملہ اس کے بالکل برعکس ہوا۔ اب اگر کوئی شخص یا کوئی گروہ صحابہ کرامؓ بالخصوص خلفاء راشدین المہدیین، عشرۂ مبشرہ، اصحاب بدر اور اصحاب بیعتِ رضوان رضی اللہ عنہم پر تنقید کرتا ہے، ان کی تنقیص کرتا ہے، ان پر زبانِ طعن دراز کرتا ہے، ان کا ادب و احترام ملحوظ نہیں رکھتا بلکہ ان تمام امورِ معاصی سے بھی آگے بڑھ کر (العیاذ باللہ) ان کو غاصب، منافق اور مرتد قرار دیتا ہے تو یہ انتہائی ضلالت اور گمراہی ہے۔ یہ وہ حد ہے کہ جہاں پہنچ کر اسلام اور ایمان کے لالے پڑ جاتے ہیں[1] چونکہ معاملہ صرف نقطہ نظر و فکر تک محدود نہیں رہتا بلکہ اس کا خالص علمی و فکری طور پر تجزیہ کیا جائے تو اس کی زد سیّدِ ولدِ آدم، سرورِ عالم، محبوبِ الٰہی، خاتم النبیین والمرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ اقدس پر بھی پڑتی ہے۔ کسی تربیت و صحبت یافتہ اور شاگرد میں کوئی نقص یا کوئی تقصیر رہ جائے تو مربّی، معلّم اور استاد اس سے بالکل بری قرار نہیں دیا جا سکتا۔ وہ بھی کسی نہ کسی درجہ میں ذمہ دار قرار پاتا ہے۔ اس بات کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے سمجھئے جو امام ترمذیؒ اپنی جامع میں لائے ہیں:

(یہ پچھلے صفحہ کا حاشیہ)

[1] یہ سورۂ توبہ کی آیت ہے جو سفرِ تبوک سے واپسی پر نازل ہوئی تھی اور جو فتح مکہ کے بعد وقوع پذیر ہوا تھا۔ آیت میں اَلسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ کی تعیین میں مفسّرینِ سلف کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض کے نزدیک اس سے وہ مہاجرین و انصار مراد ہیں جنہوں نے ہجرت سے قبل اسلام قبول کیا۔ بعض کے نزدیک، غزوۂ بدر تک کے مومنین صادقین، بعض نے صلح حدیبیہ اور بعض نے فتح مکہ سے قبل اسلام قبول کرنے والے مومنینِ صادقین تک وسعت دی ہے۔ اور وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ کو فتح مکہ اور اس کے بعد حیاتِ نبیؐ تک اور بعض نے تا قیامِ قیامت مومنین صادقین تک اسے وسیع خیال کیا ہے۔ (مرتب)

[2] سورۂ فتح بالاتفاق صلح حدیبیہ کے بعد مراجعتِ مدینۃ النبی کے دوران نازل ہوئی تھی۔ جس میں فرمایا گیا: مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗٓ۔ الفاظ کا عموم تمام اصحابِ رسولؐ کا احاطہ کرتا ہے۔ اگر اسے خاص کیا جائے تو اس میں وہ تمام صحابہؓ کرام آجاتے ہیں جو اس سفر میں حضورؐ کے معین تھے یعنی ساتھ تھے۔ اہل تشیع کا باطل عقیدہ اس آیت کریمہ کے ابطال و انکار کا باعث بنتا ہے۔ (مرتب)

عن عبد الله بن مغفلؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: الله الله فی اصحابی لا تتخذوهم غرضا من بعدی فمن احبهم فبحبی احبهم ومن ابغضهم فببغضی ابغضهم ومن اذاهم فقد اذانی ومن اذی الله فیوشک ان یأخذ

"حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ ان کو میرے بعد نشانہ نہ بناؤ پس جس شخص نے ان کو محبوب جانا تو میری محبت کی وجہ سے محبوب جانا اور جس شخص نے ان کے ساتھ بغض رکھا تو میرے ساتھ بغض کی وجہ سے ان کے ساتھ بغض رکھا اور جس شخص نے انکو تکلیف دی اس نے مجھے تکلیف دی اور جس نے مجھے تکلیف دی اس نے اللہ کو تکلیف دی اور جس نے اللہ کو تکلیف دی تو عنقریب وہ (اس جرم میں) پکڑا جائے گا۔"

اس حدیث کو سامنے رکھئے اور پھر اہل التشیع کا یہ طرزِ عمل دیکھئے کہ معدودے چند کے علاوہ تمام صحابہ کرامؓ کو منافق اور مرتد قرار دینے کے ساتھ ہی ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان میں بھی گستاخی کی جاتی ہے جن کا مقام و مرتبہ یہ ہے کہ واقعہ افک کے سلسلہ میں ان کی برأت اللہ تعالیٰ نے فرمائی اور ان کی پاک دامنی پر مہرِ تصدیق ثبت فرمائی جو ہمیشہ ہمیش کے لئے سورۂ نور میں محفوظ رہے گی۔ جنؓ کا لعابِ دہن اس جہانِ فانی سے الرفیق الاعلیٰ کی طرف مراجعت کے وقت حضورؐ پُرنور کے دہن مبارک میں پہنچا تھا۔ روایت میں آتا ہے کہ انتقال سے کچھ وقت قبل اندازہ ہوا کہ حضورؐ مسواک کرنا چاہتے ہیں تو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اپنے دانتوں سے مسواک نرم کر کے حضورؐ کو دی جس سے آپؐ نے مسواک فرمائی ــــ پھر یہ کہ جب رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جانِ مبارک جان آفرین کے سپرد کی تو آپؐ کا سرِ مبارک حضرت صدیقہؓ کے زانو پر رکھا تھا ــــ پھر یہ کہ حضرتِ صدیقہؓ نبی اکرمؐ کی محبوب ترین زوجہ محترمہ تھیں ــــ مزید یہ کہ حضرتِ صدیقہؓ کا حجرہ حضورؐ کی آخری استراحت و آرام گاہ بنا۔

انصاف پسند نظر: ہر نوع کے تعصب اور ہر قسم کی عصبیت سے بالاتر ہو کر انصاف پسند نظر سے دیکھئے کہ کون مسلمان حضرت ابوبکرؓ[1]، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور بہ استثناء

---

[1] حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس پائے کے صحابی ہیں کہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے انؓ کو "ثانی اثنین" فرمایا ہے۔ اور اکثر مفسرین کا قول ہے کہ سورۃ اللیل میں الاتقی اور وَلَسَوْفَ

چند تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور حضرتِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان میں یہ گستاخیاں برداشت کر سکے گا! کس مسلمان کی غیرت و حمیّت جوش میں نہیں آئے گی اور اس کا خون نہیں کھولے گا جب اسے معلوم ہوگا کہ یہ اثنا عشری اہل تشیع حضرات شیخین رضؓ کو غاصب، منافق، مرتد قرار دیتے ہیں۔ اور ان کے متعلق یہ رائے رکھتے ہیں کہ انہوں نے نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے منشاء ہی نہیں حکم کے خلاف کام کیا ہے اور سازش کی ہے۔ حضرت عثمان ذوالنورینؓ کی شان میں جو کچھ کہا گیا اور کہا جاتا ہے اسے تو میں زبان پر بھی نہیں لاسکتا۔ پھر معدودے چند صحابہ کو چھوڑ کر سب صحابہ کرام وعظام کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ منافق و مرتد ہو گئے تھے، یا شیخینؓ کی سازش میں شریک تھے یا اتنے بزدل تھے کہ ان کے خوف و رعب کی وجہ سے حق بات کہنے کی ہمت و جرأت ان میں سے مفقود ہو چکی تھی[1] — تو درحقیقت یہ چیزیں اصل تلخی اور غم و غصّہ کی بنیاد بنتی ہیں — چلئے یہ کہہ لیجئے کہ اگر صرف یہ رائے رکھی جائے تو اسے تاریخ کے غلط مطالعہ اور اس کو مسخ کرنے اور حضرت علی اور حضراتِ حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی عقیدت و محبّت میں حد درجہ غلو کا نتیجہ قرار دیا جا سکتا ہے لیکن معاملہ صرف رائے کا نہیں بلکہ کھلم کھلا، سرِ بازار اور اپنی مجالس میں نہایت غلیظ اور رکیک الفاظ میں ہر سال ان باتوں کا ذکر کرنا اور اسے تبرّا کہنا۔ جبکہ تبرّا کے معنی صرف اعلان برأت کے ہیں، گالیاں بکنے اور دشنام طرازی کے ہرگز نہیں ہیں اگر کوئی گروہ شیخین اور ذوالنورین رضی اللہ عنہم کی فضیلت و عظمت کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہے ان سے صرف اعلانِ برأت کرتا ہے تو اسے بھی کسی حد تک گوارا کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس تبرّا کو گالیاں دینے

(مسلسل) یرضٰی سے حضرت صدّیقِ اکبرؓ ہی مراد ہیں۔ نیز ان مفسّرین نے اس پوری سورۃ مبارکہ کو سورۂ صدّیقؓ قرار دیا ہے۔ (مرتّب)

[1] صاحبِ مشکوٰۃ شریف بحوالہ رزین حضرت عمر بن الخطابؓ سے ایک طویل حدیث روایت کرتے ہیں جس کے آخر میں آنجنابؓ کہتے ہیں: قَالَ رسولُ اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم اصحابی کالنجوم فبایھم اقتدیتم اھتدیتم — نبی اکرمؐ تو بلا استثناء تمام صحابہ کرامؓ کو راہِ ہدایت کے نجوم قرار دیتے ہیں اور اہل تشیع معدودے چند کو چھوڑ کر سب کو مرتد تک قرار دیتے ہیں انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ مزید یہ کہ صحابہؓ کی منقبت میں یہ قول بھی ملتا ہے کہ "الصحابۃ کلھم عدول"

رکیک حملے کرنے، توہین کرنے، دشنام طرازی کے ہم معنی و مترادف سمجھ لیا جائے اور ان کی سیرت پر، ان کی عظمت پر، ان کی شخصیتوں پر چھینٹیں اڑائے جائیں تو اسے سُنّی مسلمان برداشت نہیں کرسکتا، ان کا یہی طرزِ عمل فسادات کا باعث بنتا ہے ـــــ اس ضمن میں ہر سطح پر اس امر کی کوشش ہونی چاہیئے کہ اہلِ تشیع اپنے اس طرزِ عمل سے باز آجائیں۔ ویسے بھی اس قسم کی غلیظ اور رکیک زبان استعمال کرنا شرفاء کا شیوہ نہیں کجا یہ کام مذہب کے نام پر کیا جائے اور اسے نیکی سمجھا جائے۔

تیسرا اور بنیادی سبب میرے نزدیک جو اصل اور بنیادی نزاع ہے جس کی بنا پر میں کہتا ہوں کہ یہ دو مستقل فرقے ہی نہیں دو اسلام ہیں۔ وہ درحقیقت اجتماعی اور سیاسی نظام کے بارے میں ایک اساسی اختلاف ہے۔ سُنّی اسلام کی بنیاد ہے خلافت کے اصول پر اور یہ خلافت درحقیقت Popular Viceregency ہے۔ کوئی خلیفہ اللہ کی طرف سے مامور نہیں ہوتا بلکہ درحقیقت مسلمانوں کے چناؤ سے ان کے باہمی مشورہ سے اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ کے اصول پر اس کا نصب ہوتا ہے، اس طریق پر اُسے اس منصب پر فائز کیا جاتا ہے۔ یوں کہا جاسکتا ہے کہ یہ جو روحِ عصر ہے، یہ جو اس دَور کا اندازِ فکر ہے جس کو ہم "جمہوریت" سے تعبیر کرتے ہیں تو خلافت کا تصوّر اس سے بہت قریب ہے ـــــ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ۔ یہ لوگوں کا معاملہ ہے کہ وہ طے کریں گے کہ کس کو وہ اپنا خلیفہ اور سربراہ بنائیں لہٰذا یہ عوامی حاکمیّت Popular Sovereignty) نہیں ہے بلکہ Popular Caliphate (عوامی خلافت) ہے۔ یہ عوامی نیابت ہے ـــــ عوامی حاکمیّتِ کُلّی کے تصوّر والی جو جمہوریت ہے، وہ تو اللہ کی حاکمیّت کے بجائے عوامی حاکمیّت کے اصول پر مبنی ہوتی ہے جو شرک ہے، کفر ہے۔ لیکن خلافتِ عامّہ کا حق مسلمانوں کو حاصل ہے۔ حاکمیّتِ مطلقہ حاصل نہیں ہے البتہ خلافت حاصل ہے۔ یہ خلافت کسی فرد کے لئے مختص نہیں ہے بلکہ تمام مسلمانوں کے لئے ہے۔ وہ اپنے میں سے جس کو چاہیں خلیفہ بنالیں۔ یہ ہے اصل میں اہلِ سنّت کا تصوّرِ خلافت ـــــ یہ تصوّر بہت ہی مختلف ہے بلکہ بالکل متضاد ہے اس تصوّر سے جس کی بنیاد پر شیعیّت قائم ہے۔ وہ ہے امامتِ معصومہ کا تصوّر۔ میں اس وقت تنقید کے لئے کوئی بات نہیں کہہ رہا بلکہ خالص علمی و فکری اعتبار سے بتا رہا ہوں کہ اصل فرق کیا ہے! اہلِ تشیع

کے نزدیک یہ عقیدہ ان کے دین میں اسی طرح رکنِ ایمان ہے جیسے اہلِ سنّت کے یہاں عقیدۂ توحید و رسالت و قیامت و آخرت ـــــ لہٰذا یہ حقیقت پیشِ نظر رہنی چاہیئے کہ یہ دونوں چیزیں یعنی تصوّرِ خلافتِ عامّہ اور تصوّرِ امامتِ معصومہ محالِ تطبیق (irreconcilable) ہیں۔ ان کو باہم جوڑا جا ہی نہیں سکتا۔ ان کے مابین کسی طور پر بھی مطابقت و مصالحت ممکن نہیں۔ ان کے درمیان بُعدالمشرقین ہے۔

نسلی امامت | اس پر مستزاد یہ کہ یہ امامتِ معصومہ بھی ایک ہی نسل میں چلے گی۔ یوں کہنے کو تو یہ نسل شمار ہوتی ہے نبی اکرمؐ کی۔ صلّی اللہ علیہ وسلّم۔ لیکن حقیقت میں وہ نسل ہے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی۔ اس لئے کہ اصلاً نسل بیٹے سے چلتی ہے۔ بیٹی سے تو نہیں چلتی ـــــ لہٰذا اصل میں وہ نسل حضرت علیؓ کی ہے کہ امامتِ معصومہ کا مدار انہی کی نسل میں ہوگا۔ چنانچہ اہلِ تشیع کا بنیادی عقیدہ ہے کہ حضرت علیؓ بلافصل امام، خلیفہ اور امیر المؤمنین ہیں اور آپؓ کے بعد آپؓ کی فاطمی اولاد میں سے مزید گیارہ حضرات ائمۂ معصومین ہیں ـــــ پس اس طرح اس عقیدہ میں نسلیت آگئی۔

معصوم امامت: پھر یہ کہ امام مامور من اللہ ہے۔ وہ معصوم ہے۔ کوئی مانے یا نہ مانے وہی خلیفۂ برحق اور مطاعِ مطلق ہے الغرض وہ امام بھی ہے، مامور من اللہ بھی، معصوم عن الخطا بھی ہے اور وہی امام الزماں ہے تا قیامِ قیامت۔ جبکہ اسلام کے نزدیک معصومیت صرف خاصۂ نبوّت ہے

قرآن کا ظاہر و باطن: پھر یہ کہ اگرچہ اس پر وحی نازل نہیں ہوتی لیکن وحیِ الٰہی کی صحیح تعبیر و تشریح صرف وہ کر سکتا ہے۔ وہ الفاظِ قرآنی نہیں بدلے گا بلکہ جو تشریح امام معصوم کر دے گا، وہی صحیح سمجھی جائے گی۔ خواہ آپ کو یہ نظر آ رہا ہو کہ وہ قرآن کی نص یا منشاء کے خلاف بات کہہ رہا ہے۔ چاہے آپ یہ سمجھتے ہوں کہ ظاہرِ قرآن کی نفی ہو رہی ہے لیکن اہلِ تشیع کا عقیدہ یہ ہے کہ قرآن کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے۔ تم ظاہر دیکھتے ہو، امام معصوم اس کے باطن کو دیکھتا ہے اور اس کے اعتبار سے وہ جو تعبیر کرتا ہے، وہی اس کی حقیقی تعبیر سمجھی جائے گی اور نافذ العمل ہوگی[1]

---

[1] نقلِ کفر کفر نہ باشد کے مصداق حضرت جعفر صادقؒ سے بعض آیات کی جو تشریح و تفسیر منسوب کی جاتی ہے ان میں سے چند نمونے اہلِ تشیع کی معتبر ترین کتاب 'اصولِ کافی' سے پیش ہیں۔ کلیجے پر پتھر رکھ کر

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

حرام وحلال کا مطلق حق اہل تشیع اپنے ائمہ معصوم کا حق ہی نہیں بلکہ ان کا یہ منصب قرار دیتے ہیں کہ وہ جس چیز اور جس عمل کو چاہیں حرام یا حلال قرار دے سکتے ہیں۔ گویا وہ علی الاطلاق شارع و مقنن ہیں۔ ان کے اس عقیدے کی بنیاد قرآن کے ظاہر و باطن کے فرق کے عقیدے

(تسلسل) پڑھئے سورۂ نساء کی آیت ۱۳۷ : اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا کُفْرًا لَّمْ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغْفِرَ لَھُمْ۔ اصول کافی کی روایت کے مطابق امام جعفر صادقؒ نے اس کی شرح یہ کی ہے کہ "یہ آیت فلاں، فلاں، فلاں کے بارے میں نازل ہوئی ہے" (یہ بات ذہن نشین رہے کہ شیعی روایات میں جہاں فلاں کا لفظ ایک مرتبہ آتا ہے اس سے مراد ابوبکرؓ جہاں دو مرتبہ آتے ہیں وہاں ابوبکرؓ و عمرؓ اور جہاں تین مرتبہ آتے ہیں وہاں ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ ہوتے ہیں) یہ تینوں شروع میں رسول اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور جب ان کے سامنے حضرت علی کی ولایت و امامت کا مسئلہ پیش کیا گیا اور آپؐ نے فرمایا: "من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ" تو یہ تینوں اس سے منکر ہو کر کافر ہو گئے۔ پھر حضورؐ کے فرمانے سے انہوں نے امیر المؤمنین (حضرت علی) کی بیعت کر لی اور اس طرح پھر ایمان لے آئے۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو پھر یہ (امیر المؤمنین علی) کی بیعت سے انکار کر کے کافر ہو گئے۔ پھر یہ کفر میں اور آگے بڑھ گئے جب انہوں نے ان لوگوں سے بھی بیعت خلافت لے لی جو امیر المؤمنین سے بیعت کر چکے تھے تو اب یہ سب اس حال میں ہو گئے کہ ان میں ایمان ذرا سا بھی نہیں رہا۔ (یعنی قطعی کافر ہو گئے)"۔ سورۂ حجرات کی آیت ۷ ہے: وَلٰکِنَّ اللّٰہَ حَبَّبَ اِلَیْکُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَہٗ فِیْ قُلُوْبِکُمْ وَکَرَّہَ اِلَیْکُمُ الْکُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ ؕ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝ اصول کافی کے بقول حضرت جعفر صادقؒ نے اس آیت کی تفسیر و تشریح یوں بیان کی ہے "حَبَّبَ اِلَیْکُمُ الْاِیْمَانَ" میں ایمان کا مطلب امیر المؤمنین علی السلام اور آگے "کَرَّہَ اِلَیْکُمُ الْکُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ" میں کفر کا مطلب ہے خلیفۂ اوّل (ابوبکر) اور فسق کا مطلب ہے خلیفۂ ثانی (عمر) اور عصیان کا مطلب ہے خلیفۂ ثالث (عثمان)"۔ استغفر اللہ والعیاذ باللہ)۔ اسی "اصول کافی" میں سورۂ تغابن کی آیت ۸ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا ؕ کے متعلق حضرت باقرؒ کی یہ شرح منقول ہے کہ "خدا کی قسم اس نور سے مراد (ہمارے) ائمہ ہیں"۔۔۔۔ سورۂ مائدہ

پر مبنی ہے۔ یہ اس کا منطقی و لازمی نتیجہ ہے کہ شیعہ حضرات اس بات کو جزوِ ایمان تسلیم کریں۔ چنانچہ وہ اس کو بلا قید و شرط تسلیم کرتے ہیں۔

کتمان و تقیہ: ایک طرف تو اہلِ تشیع ائمہ کو مامور من اللہ اور معصوم تسلیم کرتے ہیں لیکن دوسری طرف تاریخ سے خواہ وہ سنیوں کی مرتب کردہ ہو یا شیعوں کی جب انہیں یہ نظر آتا ہے کہ یہ بات معروف و مسلّم ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لے کر حضرت حسن عسکری رحمۃ اللہ علیہ تک کسی نے بھی عملاً عام مسلمانوں کے کسی بڑے اجتماع میں اپنی امامت اور اپنے حقِ ولایت و خلافت کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ حضرت علیؓ نے تینوں خلفاء راشدین، حضرات ابوبکر، عمر و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ہاتھ پر برضا و رغبت بیعت کی۔ انؓ کے ساتھ ہر نوع کا تعاون فرماتے رہے، حضرت عمرؓ کے عقد میں اپنی صاحبزادی حضرت امِ کلثوم کو جو حضرت فاطمہ زہراؓ کی لختِ جگر تھیں، دیا تھا۔ حضرت حسنؓ نے رضا کارانہ طور پر خلافت سے دست برداری اختیار

رتسلسل) کی آیت ۶۷ کے ابتدائی حصہ: يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ۖ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ۚ کی یہ تشریح و تفسیر "اصول کافی" میں حضرت باقرؒ سے منسوب کی گئی ہے کہ " جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم ملا کہ آپؐ اپنے بعد کے لئے حضرت علیؓ کی امامت و خلافت کا اعلانِ عام کر دیں تو آپؐ کو یہ خطرہ لاحق ہوا کہ اس اعلان سے بہت سے مسلمان مرتد اور میرے خلاف ہو جائیں گے اور تہمت ——— لگائیں گے کہ میں یہ کام علی کی قرابت اور رشتہ داری کی وجہ سے کر رہا ہوں۔ اللہ کی طرف سے ایسا حکم نہیں آیا۔ لہٰذا آپؐ نے اللہ تعالیٰ سے اس حکم پر نظرِ ثانی فرمانے کی درخواست کی تو اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی"۔ گویا حضرت باقرؒ کے نزدیک اس کی شرح یہ ہے کہ جب تک حضرت علیؓ کی امامت و خلافت کا اعلان نہیں ہوگا العیاذ باللہ فریضۂ رسالت ادا نہیں ہوگا۔ إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

———

ہمیں وثوقِ کامل ہے کہ یہ تمام روایات موضوع ہیں اور ان کا ہرگز کوئی تعلق ان حضرات گرامی سے نہیں ہے جن کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ ان تمام امور کی جناب خمینی نے اپنی کتاب "الحکومۃ الاسلامیہ" میں توثیق، تائید و تصویب کی ہے۔ یہ وہی کتاب ہے جو ایرانی انقلاب میں کلید کا مقام رکھتی ہے۔ (مرتب)

کی اور حضرت امیر معاویہؓ سے بیعتِ خلافت کر لی۔ حضرت حسینؓ اور حضرت علیؓ کے تمام خانوادوں نے بھی امیر معاویہؓ سے بیعتِ سمع و طاعت کر لی تو اہل تشیع کی وہ تمام باتیں ریت کی بنیادیں ثابت ہو جاتی ہیں جن پر حضرت علیؓ کی خلافت بلافصل اور انؓ کی فاطمی اولاد میں ائمہ معصومین کے تسلسل کے عقیدے کی عمارت تعمیر کی گئی ہے۔ لہٰذا اس حقیقت کو جو ان کے عقیدے کا تضاد ثابت کرتی ہے باطل قرار دینے کے لئے یہودی سبائی ذہنیت نے جو دراصل شیعیت کی بانی مبانی ہے شیعہ مذہب کے لئے کتمان اور تقیہ کے اصول وضع کئے کتمان کا مطلب ہے اصل عقیدہ اور مذہب و مسلک کو چھپانا اور دوسروں پر ظاہر نہ کرنا ــــــ اور تقیہ کا مطلب ہوتا ہے اپنے عقیدے، اپنے مذہب، اپنے مسلک اور اپنے ضمیر کے خلاف کوئی بات کہنا اور کوئی عمل کرنا اور اس طرح دوسروں کو دھوکہ اور فریب میں مبتلا کرنا ــــ یہ دونوں امور ان کے مذہب کے مطابق اعلیٰ درجے کی نیکی اور اجر و ثواب کے مستوجب کام ہیں[1]

تحریفِ قرآن کا عقیدہ : یوں تو ہمارے شیعہ بھائی اور ان کے علماء مجتہدین یہ کہا کرتے ہیں کہ ہم قرآن مجید میں تحریف کے قائل نہیں ہیں[2] لیکن ان کے سلف کے علماء برملا یہ لکھتے

---

[1] "اصول کافی" میں کتمان اور تقیہ کو شیعی مذہب کے لحاظ سے جس نیکی کا مقام دیا گیا ہے۔ اس کے متعلق متعدد روایات اپنے مختلف ائمہ سے منسوب کی گئی ہیں جن میں سے چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے: (i) امام جعفر صادق نے (اپنے خاص مرید سے) فرمایا کہ "اے سلیمان! تم اس دین پر ہو کہ جو اس کو چھپائے گا اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عزت عطا ہو گی اور جو اس کو ظاہر اور شائع کرے گا اس کو اللہ ذلیل و رسوا کرے گا۔ (ii) حضرت باقر سے یہ روایت منسوب ہے کہ "مجھے اپنے اصحاب میں وہ شخص زیادہ محبوب ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو، (ہمارے) دین کو زیادہ سمجھتا ہو اور ہماری باتوں کو زیادہ چھپانے والا اور راز میں رکھنے والا ہو" ــــ (iii) ابوعمیر عجمی روایت کرتے ہیں کہ امام جعفر صادقؒ نے مجھ سے فرمایا "اے عمیر! دین کے دس حصوں میں سے نو حصے تقیہ میں ہیں اور جو تقیہ نہیں کرتا وہ بے دین ہے"۔ (iv) ایک روایت حضرت باقرؒ سے ان الفاظ میں منسوب کی گئی "تقیہ میرا دین اور میرے آباء و اجداد کا دین ہے اور جو شخص تقیہ نہیں کرتا اس میں ایمان ہی نہیں ہے" جناب خمینی صاحب اپنی تصانیف اور تالیفات میں ان تمام امور کی بھرپور اور زوردار تائید کی ہے۔ (مرتب)

[2] یہ بات خالصتہً تقیہ پر مبنی ہو سکتی ہے۔ (مرتب)

اور کہتے آئے ہیں، موجودہ دور میں بھی یہ رائے رکھنے والے شیعہ علماء موجود ہیں کہ قرآن مجید کا اصل نسخہ جو حضرت علیؓ نے مرتب کیا تھا ائمہ معصومین کے پاس خفیہ طور پر منتقل ہوتا چلا آیا ہے اور وہ اب امام مہدی کے پاس ہے جو ۲۶۰ھ سے غائب لیکن کسی پہاڑ کی کھوہ میں زندہ موجود ہیں اور وہ قربِ قیامت اپنی پناہ گاہ سے قرآن مجید کا نسخہ لے کر آئیں گے اور دنیا کے سامنے پیش کریں گے[1]

---

[1] "اصول کافی" میں حضرت جعفر صادقؒ اور حضرت باقرؒ سے منسوب تحریف قرآن کے متعلق جو روایات منسوب کی گئی ہیں ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

(i) سورہ طٰہٰ کی آیت ۱۱۵ وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِن قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا..... الخ کے متعلق "اصول کافی" میں روایت ہے کہ امام جعفر صادقؒ نے قسم کھا کر فرمایا کہ یہ پوری آیت اس طرح نازل ہوئی تھی: وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِن قَبْلُ كَلِمَاتٍ فِي مُحَمَّدٍ وَعَلِيٍّ وَفَاطِمَةَ وَالْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ وَالْأَئِمَّةِ مِن ذُرِّيَّتِهِمْ فَنَسِيَ ..... (هٰكَذَا وَاللّٰهِ أُنْزِلَتْ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ)

"اور ہم نے پہلے ہی آدم سے کچھ باتوں کا عہد لیا تھا محمدؐ اور علی اور فاطمہ اور حسن اور حسین اور ان کی نسل سے پیدا ہونے والے اماموں کے بارے میں۔ پھر وہ اسے بھول گئے" (پھر امام جعفر صادق نے فرمایا) "خدا کی قسم یہ آیت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اسی طرح نازل ہوئی تھی۔

(ii) سورہ بقرہ کی آیت ۲۳ "إِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ" کے مطابق "اصول کافی" میں حضرت باقرؒ سے روایت کیا گیا ہے "جبرئیل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ آیت اس طرح لے کر نازل ہوئے تھے کہ اس میں "عَلَىٰ عَبْدِنَا" کے بعد اور "فَأْتُوا" سے پہلے "فِي عَلِيٍّ" کا لفظ تھا۔

(iii) سورۂ احزاب کی آیت ۷۱ کے آخری ٹکڑے: وَمَن يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ۝ کے متعلق اسی "اصول کافی" میں حضرت جعفر صادقؒ سے یہ روایت منسوب کی گئی ہے۔ کہ یہ آیت اس طرح نازل ہوئی تھی: وَمَن يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فِي وِلَايَةِ عَلِيٍّ وَالْأَئِمَّةِ مِن بَعْدِهِ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا۔ یعنی خط کشیدہ الفاظ قرآن میں سے حذف کر دیئے گئے ہیں۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

حاصلِ گفتگو امامتِ معصومیہ کے تصوّر، اس کے لوازم، اس کے عقائد کا ایک بہت ہی ہلکا سا خاکہ میں نے پیش کیا ہے جس سے دو اور دو چار کی طرح یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ اہلِ سنّت کا خلافت کا تصوّر، نظریہ، عقیدہ کجا جس میں انبیاء علیہم السّلام کے سوا کسی کے لئے بھی خواہ وہ ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہی کیوں نہ ہوں معصومیّت کا تصور شرک فی المعصومیتِ الرّسالت ہو جائے گا۔ اور اہلِ تشیع کا امامت معصومہ کا تصوّر، نظریہ، عقیدہ کجا ــــ ان دونوں کے مابین ہر اعتبار سے تضاد و تصادم ہے اور بُعد المشرقین ہے۔ ان میں مطابقت ناممکن ہے، محالِ مطلق ہے۔ چنانچہ کوئی سیاسی ہیئت حاکمہ اور انتظامیہ ان متضاد عقائد کو اپنے اندر کسی طریقہ سے ملا نہیں سکتی جذب نہیں کر سکتی۔ لہٰذا نظام یا تو سنّی مکتبِ فکر پر قائم ہوگا۔ یا امامی تصوّر پر ــــ میں شیعہ نہیں لکھ رہا ہوں بلکہ امامی کہہ رہا ہوں۔ چونکہ اس تصوّرِ امامت کی بھی بہت سی شاخیں ہوگئی ہیں۔

ائمہ کی مجمل تاریخ اور مختلف شاخیں امامتِ معصومہ کے جتنے بھی قائلین ہیں ان میں سے چھ ائمہ تو سب کے نزدیک متفق علیہ ہیں۔ پہلے امام حضرتِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ دوسرے حضرتِ حسنؓ، تیسرے حضرتِ حسینؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ چوتھے حضرت علی بن حسین جو زین العابدین کے نام سے مشہور ہیں۔ پھر پانچویں ان کے بیٹے حضرت محمد باقر اور چھٹے ان کے بیٹے حضرت جعفر صادق رحمہم اللہ۔ اس کے بعد ایک تقسیم ہوگئی ــــ ایک تقسیم اوپر بھی ہوگئی تھی لیکن ان کو امامیہ کہنا درست نہیں۔ حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کے ایک بیٹے تو حضرت محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ تھے اور دوسرے بیٹے حضرتِ زید رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ ان آخر الذکر کو ماننے والے زیدیہ ہیں جو فی الوقت قابلِ لحاظ تعداد میں

---

(۱۷) تیرھویں صدی کے مشہور شیعی عالم و مجتہد علامہ نوری طبرسی کا مقام و مرتبہ اور ان کی عظمت و تقدیس کا اہلِ تشیع میں جو درجہ تھا اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان کو نجف اشرف میں مرتضوی کی عمارت میں دفن کیا گیا جو شیعہ حضرات کے نزدیک روئے زمین کا مقدس ترین مقام ہے۔ انہوں نے فصل الخطاب، نامی اپنی کتاب میں جو قرآن میں تحریف، حک و اضافہ اور تغیر و تبدل کو ثابت کرنے کے لئے تصنیف کی گئی تھی ایک پوری سورہ "سورۃ الولایۃ" اپنے اس دعویٰ کے ثبوت میں پیش کی ہے کہ قرآن میں تحریف ہوئی ہے اور یہ سورہ جو قرآن میں شامل تھی لیکن اسے ساقط کر دیا گیا ہے ــــ ان طبرسی صاحب کی جنابِ خمینی صاحب نے بڑی مدح کی ہے (مرتب)

یمن میں آباد ہیں۔ گویا ایک تقسیم تو حضرت علیؓ بن حسینؓ یعنی حضرت زین العابدینؒ کے بعد سے شروع ہوگئی تھی۔ جو اسماعیلی کہلاتے ہیں۔ یہ اصل تقسیم جو شروع ہوئی ہے وہ حضرت محمد باقرؒ کے دو بیٹوں کے مابین ہوئی ہے۔

اسماعیلی: حضرت محمد باقرؒ کے بڑے بیٹے حضرت اسمٰعیلؒ تھے، جن سے تاحال اسماعیلی چل رہے ہیں یعنی جو حضرت اسماعیل کو امام وقت اور پھر انہی کی نسل میں امامت تسلیم کرتے ہیں۔ ان اسماعیلیوں کا امام معصوم ہر زمانہ اور ہر دور میں "حاضر" رہتا ہے۔ پھر ان اسماعیلیوں کی بھی آگے چل کر تقسیم ہوگئی۔ ان میں سے ایک شاخ تو وہ ہے جو اصل اسماعیلی ہیں اور دنیا کے مختلف علاقوں کے علاوہ پاکستان میں بھی موجود ہیں۔ یہ اب آغاخانی بھی کہلاتے ہیں۔ پرنس آغا عبدالکریم صاحب ان کے امام حاضر ہیں وہ ان کے نزدیک معصوم عن الخطاء ہیں، وہ مامور من اللہ ہیں۔ قرآن کا حقیقی مفہوم صرف وہی جانتے ہیں اور وہی بیان کر سکتے ہیں۔ یہ ہے اسماعیلیت اور اصل امامیت یہی ہے۔ چونکہ یہ "امام حاضر" کو مانتے ہیں اور تسلیم کرتے ہیں اور ان کو ان تمام صفات سے متصف قرار دیتے ہیں جو امامتِ معصومہ کے لوازم ہیں۔ ان کے امام حاضر کو تحلیل و تحریم اور اصولِ دین کے تغیر و تبدل کے تمام اختیارات حاصل ہیں۔ چنانچہ نماز، روزہ زکوٰۃ ان کے یہاں فرض عبادات سے اب خارج ہیں ــــ

داؤدی یا بوہری: جب کہ انہی اسماعیلیوں کی دوسری شاخ وہ ہے کہ جن کے نزدیک ایک مرحلہ پر ان کے امام بھی غائب ہو چکے ہیں اور تاحال روپوش ہیں، ان کا ظہور ہوگا۔ اب ان تمام کے نائب داعی کہلاتے ہیں۔ بمبئی (بھارت) سے جو برہان الدین صاحب یہاں تشریف لایا کرتے ہیں اور ان کی پاکستان آمد پر ہمارے اخبارات میں بڑے نمایاں طور پر ان کی یہاں تشریف لانے کی خبریں چھپا کرتی ہیں۔ یہ داؤدی یا بوہری شیعہ کہلاتے ہیں انہیں عام طور پر "خوجے" بھی کہا جاتا ہے۔ کراچی میں ان کی "آدم مسجد" کے نام سے ایک شاندار مسجد بھی ہے جبکہ آغاخانی شیعوں کے ہاں سرے سے مسجد کا تصور ہی نہیں ہے۔ ان کے یہاں جماعت خانے ہوتے ہیں۔ ان داؤدی یا بوہریوں کے یہاں بھی امامت غائب ہو چکی ہے لیکن اثنا عشری شیعوں کی امامت کے قائل نہیں ہیں۔ بلکہ حضرت اسماعیلؒ سے ان کی شاخ علیحدہ ہو چکی تھی اور غالباً ان کے اٹھائیسویں امام غائب ہیں اور وہ بھی ان کے ظہور کے منتظر ہیں۔

اثنا عشری: حضرت محمد باقرؒ کے چھوٹے بیٹے تھے۔ حضرت جعفر صادقؒ جن سے اثنا عشری شیعوں کا سلسلہ چلا ہے۔ حضرت جعفر صادقؒ کے بیٹے تھے حضرت موسیٰ کاظم۔ ان کو امام تسلیم کرنے والے موسوی شیعہ کہلاتے ہیں۔ ایران میں انہی اثنا عشری شیعوں کی عظیم ترین اکثریت ہے۔ پاکستانی شیعوں میں بھی یہی اکثریت میں ہیں۔ اس موسوی سلسلہ کو ماننے والوں کے عقیدہ کے مطابق حضرت موسیٰ کاظمؒ کے بعد پانچ امام اور رہے ہیں جن میں سے چار کے متعلق اہلِ سنّت بھی مانتے ہیں کہ تاریخی طور پر یہ شخصیتیں گزری ہیں۔ یہ چار حضرات ہیں علی رضا بن موسیٰ کاظمؒ، ان کے بیٹے محمد تقی، ان کے بیٹے محمد نقی اور ان کے بیٹے حسن عسکری رحمہم اللہ۔ تاریخی طور پر ان چاروں پر شیعہ سنّی دونوں کا اتفاق ہے۔ پانچویں کے متعلق اختلاف ہے۔ سُنّی مؤرخین کہتے ہیں کہ حضرت حسن عسکریؒ کے یہاں اولاد ہوئی ہی نہیں تھی۔ وہ ۲۶۰ھ میں لاولد فوت ہو گئے تھے[1] ہمارے اثنا عشری بھائی یہ کہتے ہیں کہ حضرت حسن عسکری کے ایک صاحب زادے تھے۔

یہ ہمارے بارہویں امام ہیں۔ ان کا نام محمد بن حسن عسکری اور لقب امام ہے۔ یہ اپنے والد کے انتقال کے وقت قریباً پانچ سال کے تھے۔ چونکہ خطرہ تھا کہ بنو عباس کی حکومت ان کو کہیں شہید نہ کرا دے۔ لہٰذا وہ اپنے ہی شہر سُرَّ مَنْ رأیٰ کے ایک غار میں اپنے والد کی وفات سے کچھ دن پہلے روپوش ہو گئے اور وہ اس وقت سے غار میں معجزانہ طور پر چھپے ہوئے ہیں۔ ۲۶۰ سن ہجری سے لے کر اب ۱۴۰۵ ہجری شروع ہو گئی ہے۔ گویا گیارہ سو پینتالیس برس ان کو چھپے ہوئے ہو گئے ہیں۔ شیعی روایات یہ بھی ہیں کہ وہ تمام چیزیں جو حضرت علیؓ سے منتقل ہو کر ہر امام کے پاس رہتی تھیں اور آخر میں امام حسن عسکری کے پاس تھیں جیسے حضرت علیؓ کا جمع کیا ہوا اور اصلی اور کامل قرآن۔ اس کے علاوہ تمام آسمانی کتابوں اور صحیفوں کے اصل نسخے اور بے شمار وہ چیزیں جو کسی نہ کسی طور پر انبیاء علیہم السلام سے منسوب ہیں۔ ان امام مہدی غائب کے پاس موجود ہیں۔

پس یہ ہیں اہلِ تشیع کی چار مشہور شاخیں۔ زیدیہ[1]، اثنا عشری[2]، اسماعیلیہ[3] اور

---

[1] "اصول کافی" ہی میں یہ روایات بھی موجود ہیں کہ حسن عسکریؒ کے حقیقی بھائی اور خاندان کے دوسرے لوگوں کا بیان ہے کہ حسن عسکری لاولد فوت ہوئے اور حکومت کے ذمہ داروں کو بھی تحقیق و تفتیش سے یہی ثابت ہوا چنانچہ ان کا ترکہ شرعی قانون کے مطابق ان کے بھائی اور دوسرے موجود وارثوں میں تقسیم کر دیا گیا (مرتب)

داؤدی بوہرے، جو امامت کے نظریہ اور عقیدہ کے تحت چل رہی ہیں اور جو خلافت کے نظریہ اور عقیدہ کے حامل ہیں وہ ہیں اہل سنّت والجماعت ـــ جن میں پانچ مسالک ہیں جن کا تعلق عقائد سے نہیں ہے بلکہ معاملات سے، فقہ سے، قانون سے تعبیر ہے، افضل و مفضول اور راجح و مرجوح سے ہے۔ یہ ہیں حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی اور سلفی۔ یہ فقہی مکاتب ہیں۔ فرقِ نہیں ہیں۔ اصلاً فرقے دو ہی ہیں۔ اہل سنّت والجماعت اور اہل تشیع۔

غیبت کا عقیدہ اب آئیے غیبت کے مسئلے کی طرف۔ چونکہ اثنا عشری اہل تشیع کی عظیم اکثریت ہے ایران میں تو یہی حضرات غالب اکثریت میں ہیں اور پاکستان میں بھی شیعوں میں انہی کی اکثریت ہے۔ لہٰذا اب گفتگو انہی کے عقیدہ کے نقطۂ نظر سے ہوگی۔

غیبتِ صغریٰ: شیعی روایات کے مطابق اثنا عشری شیعوں کا عقیدہ یہ ہے کہ اس روپوشی کے بعد چند سال تک ان کے خاص محرم راز ان کے پاس جاتے رہے اور ان سے ہدایات لاتے رہے۔ اس روپوشی کو وہ غیبتِ صغریٰ کہتے ہیں۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد یہ سلسلہ منقطع ہو گیا اور اس کے بعد ان سے رابطہ کا کوئی تعلق باہر والوں کا باقی نہیں رہا۔ میں نے جو گیارہ سو پینتالیس سال بیان کئے تھے تو اگر یہ مان لیا جائے کہ ان میں سے ابتدائی دس سال وہ ہیں جن میں رابطہ قائم رہا۔ تو گویا اس غیبت پر گیارہ سو پینتیس سال گزر چکے ہیں۔

غیبتِ کبریٰ: اس طویل غیبت کے عرصہ کو اثنا عشری شیعہ غیبتِ کبریٰ قرار دیتے ہیں جو تا حال جاری ہے۔ اس طویل عرصہ میں امام غائب (امام مہدی) سے کسی کا کوئی رابطہ قائم نہیں رہا۔ لیکن اثنا عشری شیعہ حضرات کے عقائد میں یہ بات جزوِ ایمان کی حیثیت رکھتی ہے کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سے تا قیامِ قیامت اللہ تعالیٰ کی طرف سے بارہ امام خلافت و امامت کے لئے نامزد ہیں اور ان کی نامزدگی خود حضورؐ نے فرما دی تھی۔ لہٰذا امام غائب ہی کا دور امامت جاری ہے ـــ یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیّت کے خلاف اعیاذ باللہ حضرت علیؓ کی خلافت سے قبل اہل تشیع کے عقیدے کے مطابق ناصبانہ طور پر خلفاء ثلاثہ حضرات ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم متمکن رہے جس پر نہ صرف صحابہ کرامؓ نے احتجاج کیا اور نہ خود حضرت علیؓ نے اپنے "حق" کے لئے کوئی کوشش کی۔ بلکہ انہوں نے خلفاء ثلاثہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ پھر حضرت عثمان کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت[1] ہوئی۔ مستند روایات کے مطابق

---

[1] تضاد فکری ملاحظہ فرمائیے۔ ایک طرف یہ عقیدہ اور یہ دعویٰ کہ حضرت علی کو اللہ اور اس کے رسول نے

آنجنابؓ اس پر بڑی مشکل سے راضی ہوئے تھے۔ آپ کا پورا دورِ خلافت باہمی جنگ و جدال کی نذر ہوا جس میں طرفین کے چوراسی ہزار کے قریب مسلمان ایک دوسرے کی تلواروں سے کھیت رہے۔ آپ کی شہادت کے بعد حضرت حسنؓ کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت ہوئی لیکن نبی اکرمؐ کی پیشین گوئی کے مطابق حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امت کی خیر خواہی اور وحدت و اتحاد کے عظیم ترین مقصد و مصلحت کی خاطر از خود خلافت سے دست برداری کا فیصلہ فرمایا اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کر لی۔ چنانچہ پوری اسلامی مملکت میں کامل امن و امان قائم ہوگیا اور پیغام ربانی کی تبلیغ اور طاغوتی نظام ہائے حکومت پر اظہارِ دین الحق کی توسیع کے عمل کی تجدید ہوگئی ــــ گویا حقیقی معنوں میں پورے عالم اسلام پر اعیاذ باللہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نامزدگی کے باوجود ان بارہ مامور من اللہ ائمہ معصومین کی ایک دن بھی خلافت و حکومت بالفعل قائم نہیں ہوئی۔

غیبتِ کبریٰ کے عقیدے کی اصل غرض و غایت! 'اصولِ کافی' میں حضرت جعفر صادقؒ سے منسوب کر کے متعدد روایات نقل کی گئی ہیں جن کا مفاد یہ ہے کہ "یہ دنیا امام معصوم کے بغیر ایک لمحہ بھی قائم نہیں رہ سکتی" یعنی اگر امام نہ رہے تو دنیا نیست و نابود ہو جائے گی۔ پھر انہی حضرت جعفر صادقؒ سے یہ روایات بھی منسوب ہیں کہ "امامت ایک عہد ہے اللہ عزّ و جل کی طرف سے متعین اشخاص کے لئے (لہٰذا کسی) امام کو بھی یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنے بعد کے لئے اللہ کے نامزد امام کے سوا کسی دوسرے کی طرف امامت منتقل کر دے"۔ نیز بعض دوسری روایات کا حاصل یہ ہے کہ امام کا بیٹا ہی امام ہو سکتا ہے۔ کوئی قریب ترین عزیز بھی نہیں ہو سکتا ــــ یہ اصول تو خود شیعوں کی تاریخ کے مطابق بھی ٹوٹ گیا ہے چونکہ ان کے بقول حضرت حسن رضؓ کے بعد امام حضرت حسین رضؓ

(مسلسل) خلیفہ بلافصل اور امام مامور فرمایا تھا اور دوسری طرف حضرت علیؓ کا یہ طرزِ عمل! یہ تضاد معمولی عقل کا شخص بھی معلوم و محسوس کر سکتا ہے۔ اسی تضاد کو دور کرنے کے لئے "تقیہ" کا باطل عقیدہ گھڑنا پڑا۔ لیکن یہ نہیں سوچا کہ حضرت علیؓ کی شان میں یہ کتنی بڑی گستاخی ہے کہ اسد اللہ کو محض اپنی جان بچانے کے لئے تقیہ جیسے مکروہ عمل کی پناہ لینی پڑی۔ العیاذ باللہ! اہل سنّت کا عقیدہ تو یہ ہے کہ اسد اللہ ہرگز کسی باطل طاقت کے سامنے جھکنے والے نہیں تھے۔ اور اللہ و رسول کی کسی طور پر بھی العیاذ باللہ معصیت نہیں کر سکتے تھے۔ لہٰذا اہل تشیع کا سارا تانا بانا باطل ہے (مرتب)

تھے جو حضرت حسنؓ کے بھائی تھے نہ کہ بیٹے۔ شاید اسی لئے ایک اور روایت وضع کی گئی کہ یہ سلسلہ حضرت حسینؓ سے چلے گا۔ پھر یہ کہ حضرت حسنؓ کی نصبِ خلافت کے لئے باقاعدہ بیعت ہوئی تھی۔ ان کو حضرت علی نے وفات کے وقت نامزد نہیں فرمایا تھا۔ لوگوں نے جب آنجنابؓ سے پوچھا کہ "کیا ہم آپ کے بعد حضرت حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلیں تو آپ نے جواب میں فرمایا "میں اس سے نہ تم کو روکتا ہوں اور نہ اس کا حکم دیتا ہوں ـــ یہ بات تواریخ میں موجود ہے خواہ وہ سنّیوں کی لکھی ہوئی ہوں یا شیعوں کی ـــ پھر عجیب تر بات یہ ہے کہ" مامور من اللہ امام" نے از خود خلافت سے دست برداری اختیار کر کے حضرت معاویہ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی۔ طاعت کرلی۔ اکثر محققین کی رائے یہ ہے کہ جس میں سنّیوں کے علاوہ شیعہ مؤرخین بھی شامل ہیں کہ حضرت حسن عسکریؒ لاولد فوت ہوئے تھے لہٰذا سابقہ روایات کی رو سے مسئلہ پیدا ہونا ایسی صورت میں "امامت معصومہ" کے عقیدے کی بقا اور اس کے تسلسل کو قائم رکھنے کے لئے کیا تدابیر اختیار کی جائیں! چنانچہ سُنّی محققین کی رائے یہ ہے کہ اس مشکل کو حل کرنے کے لئے یہ دعویٰ کیا گیا اور اس کو شہرت دی گئی کہ حسن عسکریؒ کے یہاں ایک صاحب زادے محمد تھے جن کا لقب امام مہدی ہے روپوش ہوگئے اور تاحال روپوش ہیں۔ یہی امام آخر الزماں ہیں اور چونکہ اگرچہ غائب ہیں لیکن زندہ موجود ہیں اس لئے یہ دنیا بھی قائم ہے۔ یہ عقیدہ وضع نہ ہوتا تو قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا کہ "امام معصوم" کے بغیر کاروبار کیسے چل رہا ہے! اس استبعاد کو دور کرنے کے لئے "غیبتِ کبریٰ" کے افسانہ طرازی کی ضرورت ہوئی۔ واللہ اعلم! (جاری ہے)

ے آنجنابؓ کا قیامت تک کے لیے اُمّت محمد علی صاحبہا الصلوٰۃ والسّلام پر احسان ہے کہ آپؓ نے اپنے نانا صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کے مطابق مسلمانوں کے دو متحارب گروہوں میں خالصتاً للّٰہ فی اللہ خلافت سے دست برداری اختیار کر کے صلح کرادی اور پوری اسلامی دنیا میں امن و امان قائم قائم ہوگیا۔ حضرت حسنؓ کا یہ عمل چونکہ سبائی یہودی سازش کے خلاف تھا لہٰذا ان کو امام معصوم سمجھنے والوں نے خود انکی حیات میں انکو عار المؤمنین اور مذل المؤمنین جیسے تحقیر و توہین آمیز خطابات سے نوازا تھا (مرتّب)

ضروری وضاحت منجانب مرتب محترم ڈاکٹر صاحب کی اس تقریر میں جو فٹ نوٹ مرتب کی جانب سے شامل ہیں ان میں سے متعدد امور مولانا محمد منظور نعمانی دامت فیوضہم کی تازہ ترین تالیف "ایرانی انقلاب۔ امام خمینی اور شیعیت" سے ماخوذ ہیں۔ جو قارئین اس مسئلہ سے کماحقہ واقفیت کے خواہش مند ہوں ان کو اس کتاب کے مطالعہ ضرور کرنا چاہیے۔

بہار، رنگا رنگ پھولوں، شاداب چہروں اور بیدار آنکھوں کا موسم
پھر بھی کچھ چہرے بے آب اور کچھ آنکھیں بے رونق کیوں؟

موسم بہار میں چہار سو نئی کونپلیں اور تازہ پھول کھل اٹھتے ہیں اور روئے زمین پر زندگی انگڑائی لے کر جاگ اٹھتی ہے۔

اس موسم بیدار میں صحت بخش خون چہروں پر حسن بن کر جھلک اٹھتا ہے اور آنکھوں میں ایک نئی چمک پیدا کر دیتا ہے۔

لیکن اگر خون میں فاسد مادے سرایت کر جائیں تو پھوڑے پھنسیوں، مہاسوں اور کئی دوسری جلدی بیماریوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں جس سے چہرے بے آب اور آنکھیں بے شباب نظر آتی ہیں۔

بہار کے موسم میں صافی کا باقاعدہ استعمال فاسد مادوں کو خارج کر کے خون کو صاف اور صحت بخش رکھتا ہے اور یہی صاف خون چہروں پر حسن بن کر جھلک اٹھتا ہے۔

جڑی بوٹیوں سے تیار شدہ **صافی** سے خون صاف، چہرہ شاداب

نسیم ہمدرد
اگر تمہارا ظاہر و باطن یکساں ہے تو تم قابل قدر انسان ہو

ہمدرد
ہم خدمت خلق کرتے ہیں

Adarts HSF 1/84

نبی اکرم کی اصل جلالتِ قدر اور عظمتِ شان کو
کوئی نہیں جان سکتا، مختصراً یہی کہا جاسکتا ہے کہ

"بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر"

ہمارے لیے اصل قابل غور مسئلہ یہ ہے کہ:
کیا ہم آپ کے دامن سے صحیح طور پر وابستہ ہیں؟
اس لیے کہ اسی پر ہماری نجات کا دار و مدار ہے

اِس اہم موضوع پر
ڈاکٹر اسرار احمد کی مختصر لیکن نہایت مؤثر تالیف

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے

ہمارے تعلق کی بنیادیں

کا خود بھی مطالعہ کیجئے اور اس کو پھیلا کر تعاون علی البر کی سعادت حاصل کیجئے

هدية في نسخة: تین روپے۔ تبلیغی مقصد کے لیے یک صد نسخوں پر ۳۳ فی صد کمیشن دیا جائے گا:

فریش ویل
سوئیٹس
پاکستانی تہذیب
کا آئینہ دار
صدیوں پرانی
روایات کی حامل
ہماری مٹھائیاں اور
حلوہ جات یقیناً ہمارے
ذائقے اور لذت کی غمازی
کرتی ہیں- احمد نے اس قدیم
پیشے کو جدید دور کے تقاضوں
سے ہمکنار کیا اور اپنی
مصنوعات کو بالکل
منفرد انداز میں
پیش کیا-
دنیا کے ہر براعظم میں احمد
کی مٹھائیاں اور حلوہ جات
پاکستانی تہذیب اور روایات
کی شناخت ہیں-
ZAFRANI JAMUN
حلوہ جوزی
Freshwel
Freshwel
Freshwel
Freshwel
جدید ترین نائٹروجن پیکنگ پلانٹ پر
سیلوفین پیکنگ کے ساتھ پیک کئے جاتے ہیں
تاکہ تازگی اور خستگی ہمہ وقت برقرار رہے
ٹین کے لیڈ بغیر ٹین کٹر آسانی سے کھل جاتے ہیں-
سوہن حلوہ
کراچی حلوہ
حبشی حلوہ
حلوہ جوزی
رس گلے
زعفرانی جامن
سوہن ڈیلائیٹ
تلے ہوئے مصالحہ دار بادام
AHMED
مٹھائیوں میں روایتی اور صنعتی معیار کے خالق
احمد کراچی حلوہ مرچنٹ لمیٹڈ
ڈی-۱۱۲، سائیٹ، کراچی- فون: ۹۵-۲۹۴۲۹۱
MASS

مکتوبِ گرامی مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلوی

مہتمم و شیخ التفسیر جامعہ رحیمیہ - دہلی / بھارت

گرامی قدر ڈاکٹر صاحب ، السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'
قرآنی محاضرات میں شرکت کا دعوت نامہ ملا -
یاد فرمائی کا شکریہ !

اس موقعہ پر یہ سعادت میرے حصہ میں آتی نظر نہیں آتی ، اوّل تو تین ماہ کے بعد پھر ویزا کا ملنا مشکل ہے - نومبر ۸۲ میں آپ سے ملاقات ہو چکی ہے ، سال بھر میں ایک دفعہ ہی ویزا ملتا ہے --- سفارش کا چکّر میرے بس کا نہیں ،

دوسرے آخر سال ہے کتابیں پوری کرانی ہیں ، ایک مہینہ کی غیر حاضری پہلے ہی ہو چکی ہے - انشاء اللہ اگلے اجلاس میں ملاقات ہو گی -

---

تازہ میثاق بھی نظر سے گذرا اور آنجناب کا تبصرہ بھی پڑھا ، واقعی اس مضمون میں مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ کا اسم گرامی رہ گیا ، مولانا عثمانیؒ جماعت شیخ الہند میں اپنے علم وفضل اور اپنے استاذ کی نظر میں قابل اعتماد ہونے کے ناطے بڑی دقیع شخصیت کے مالک تھے تفسیر قرآن حکیم پر مولانا کا کام بڑا اہم ہے اور حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمہ کے ساتھ مولانا عثمانیؒ کے تفسیری حواشی اس خاص تعلق و نسبت کی دلیل ہیں - میں نے محاسن موضح قرآن میں مولانا عثمانیؒ کی قرآنی خدمات کا مفصل تذکرہ کیا ہے. لیکن دعوت قرآنی کا جہاں تک تعلق ہے جس کا مفہوم میرے نزدیک قرآن کریم کے ذریعہ اسلام کی اصولی دعوت پیش کرنا ہے اور اس کے لئے اپنے آپکو تقریر ، وعظ اور تحریر ہر سطح پر سرگرم عمل رکھنا ہے ---

اس میدان میں مولانا عثمانی مرحوم مولانا آزاد ، مولانا احمد علی صاحب لاہوری مولانا ابوالاعلیٰ مودودی ، مولانا عبید اللہ سندھی اور مولانا احمد سعید صاحب دہلوی رحمہم اللہ کے زمرہ میں شامل نہیں ہوتے -

تفسیرِ قرآن حکیم لکھنے کے معاملہ میں مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کو اس

حلقہ میں تقدّم کا شرف حاصل ہے اور بعد کی اُردو تفسیروں کیلئے حضرت تھانویؒ کی بیان القرآن ایک اہم مأخذ رہی ہے، پھر مولانا مفتی محمد شفیعؒ کی معارف القرآن بھی حضرت شیخ الہندؒ کے حلقہ کی بیش قیمت قرآنی خدمت کا درجہ رکھتی ہے۔ لیکن دعوتِ قرآنی کی جس تحریک کا اِس مضمون میں ذکر کیا گیا ہے اس کا مفہوم الگ ہے۔

آپ نے علماء دیوبند کے ایک حلقہ کے اس طعنہ کا ذکر کیا کہ یہ کانگریسی مولوی ہیں — دراصل یہ طعنہ یہ حضرات اپنے تقاعد کو چھپانے کے لئے دیتے رہے ہیں۔

حضرت تھانویؒ کی یہ بات مشہور ہے کہ کسی موقعہ پر خانقاہ کے اندر مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ کے کانگریسی ہونے پر لعن طعن کیا گیا تو حضرت تھانویؒ نے اسے ناپسند فرمایا اور کہا "مولانا مدنی قائم ہیں اور ہم قاعد ہیں"۔

اسی طرح مولانا مدنیؒ اس اخلافی دور میں لوگوں کو مولانا تھانویؒ کے پاس بیعتِ طریقت کے لئے بھیجا کرتے تھے،

دراصل دونوں طرف حاشیہ نشین مفاد پرستوں کا ایک حلقہ تھا جو اس اجتہادی اختلاف کی آڑ میں ان بزرگوں کے درمیان چپقلش پیدا کرنے میں سرگرم رہتا تھا، اور اس میں اس کا مفاد تھا،

ان بزرگوں کے درمیان جو اخلاص قائم تھا وہ دونوں حلقوں کی نوجوان نسل کے لئے مشعلِ راہ ہے۔

مولانا عثمانیؒ اور مولانا مدنیؒ کی سیاسی کش مکش کے دور میں ایک دفعہ پنجاب کے احراری لیڈر کے ایک صاحبزادے کی طرف سے مولانا عثمانیؒ کی شان میں ایک بیہودہ قلمی پوسٹر چسپاں کیا گیا — یہ بے ہودگی مولانا مدنیؒ کے علم میں آئی، مولانا حسبِ معمول دارالحدیث میں سبق پڑھانے کے لئے تشریف لائے اور چوکی پر بیٹھتے ہی فرمایا:

> "مجھے معلوم ہوا ہے کہ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ صدر مہتمم دارالعلوم دیوبند کی شان میں گستاخی کی گئی ہے؛ میں اعلان کرتا ہوں کہ یہ سلسلہ اگر بند نہ کیا گیا تو میں ان لوگوں کے لئے تہجد کی نماز کے بعد بددعا کروں گا۔

یہ فرما کر سبق پڑھائے بغیر تشریف لے گئے — طلبہ میں کہرام مچ گیا، لڑکے

مرنے لگے، مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور معافی مانگی،

مولانا عبید اللہ انور کا بیان ہے کہ تقسیم ہند کے بعد جب مولانا عثمانیؒ کراچی کے لئے روانہ ہوئے تو اسکی اطلاع مولانا احمد علیؒ صاحب لاہوری کو دی، مولانا لاہوری لاہور کے اسٹیشن پر پہنچے، مولانا عثمانیؒ سے ملاقات ہوئی مولانا نہایت سکوت کے ساتھ سر جھکائے بیٹھے رہے۔ مولانا احمد علیؒ نے سکوت توڑتے ہوئے فرمایا۔ "حضرت خدا کی مشیت اسی طرح تھی۔ اگر آپ اِدھر تشریف نہ لاتے تو خدا جانے ہم کس بدایونی کے حوالہ کر دیئے جاتے"۔ مولانا نے سر اٹھایا۔ اور فرمایا "مولانا صاحب میں سچا کہتا ہوں کہ میں نے یہ راستہ کسی ذاتی عناد کے سبب اختیار نہیں کیا، میں نے استخارہ کرکے مولانا تھانوی کے مسلک کو راجح پایا اس لئے اسے اختیار کیا"۔

ہندوستان میں تو خیر۔ ماضی کی وہ تلخیاں ختم ہوگئیں، دارالعلوم کے قضیہ نے چند دنوں کے لئے تازہ کر دی تھیں۔ مگر جہاں پوری ملت دفاعی محاذ پر سرگرم ہے وہاں اس کا کیا موقعہ رہ گیا ہے کہ لیگی اور کانگریسی کی تقسیم موجود رہے،

البتہ پاکستان میں علماءِ دیوبند کے ان دونوں حلقوں میں جو تناتنی اور غیریت کارفرما ہے وہ انتہائی افسوسناک اور شرمناک ہے۔

میرے ایک رفیقِ درس دہلوی فاضل کراچی میں دماغی توازن کھو بیٹھے ہیں، یہ مولانا مدنیؒ سے خاص عقیدت رکھتے تھے، ان کے ساتھ مخالف طبقہ نے وہ سلوک کیا کہ یہ پاگل ہوگئے۔ ایک طرف ترکِ وطن کی پریشانیاں، دوسری طرف اس مذہبی فرقہ پرستی کی کراری ضرب۔ ایک قیمتی جان بے کار ہوگئی۔

بہرحال اس بحث کی برکت سے پاکستان کی نوجوان دیوبندی نسل کے سامنے ان بزرگوں کے اخلاص کی داستانیں آگئیں ہیں جماعت شیخ الہندؒ کی اصطلاح اس لئے استعمال کرتا ہوں کہ دونوں دیوبندی حلقے ماضی کی تنگ نظری سے نکل کر پاکستان کے ماحول میں دینی خدمت کے تقاضوں کے لئے متحد ہو جائیں اور دین برحق کے قیام کی تحریکوں کے ساتھ تعاون کریں۔

ملت کے سنجیدہ اور دانش مند طبقہ میں تب ہی ہماری بات بنے گی۔ والسلام

اخلاق حسین قاسمی (۱۲/ فروری ۸۵ء)

THE ORIGINAL
Coca-Cola
Have a Coke and a smile.
"COCA-COLA" AND "COKE" ARE THE REGISTERED TRADE-MARKS WHICH IDENTIFY THE SAME PRODUCT OF THE COCA-COLA COMPANY
paragon

افکار و آراء

[اس عنوان کے تحت شائع شدہ آراء سے ادارے کا بالکلیہ متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔]

دیوبندی حلقہ کی تنگ نظری!

مکرمی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب! السلام علیکم

اس ماہ کے میثاق میں جو تسلسل مسئلہ امامت کا چل رہا ہے، اس کے ضمن میں قدم قدم پر ہمارے مخلص و محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب، علمائے دیوبند کی عظمت و جلالتِ شان کے گیت گا رہے ہیں، اور عظمت و تقدس کے جتنے القاب و آداب ہو سکتے ہیں وہ سارے کے سارے بزرگانِ دیوبند کی شان میں موقع و بے موقع صرف کر رہے ہیں، محض اس جذبے کے تحت کہ دیوبند کی برادری ان القاب و آداب کے ساتھ علمائے دیوبند کے مناقب و اوصاف کو پڑھ کر ہمارے مستحق ترین فرد، جناب اسرار احمد صاحب کی امارت پر متفق ہو جائے گی، مگر یہ ان کا خیال خام ہے، وہ برادری اپنے سے باہر کسی کی عظمت و امامت کی قائل ہی نہیں، اور کسی کو مانتی ہی نہیں۔ اور اگر مانتی بھی ہے تو بس اس قدر کہ یہ باعظمت بزرگ ہمارے طبقۂ علماء کے حلقہ بگوشوں اور خدام میں سے ہیں۔ اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں جس میں سرِفہرست علامہ سید سلیمان ندوی ہیں، یہ بحث ہمارے موضوع سے خارج ہے، ہمیں تو سردست صرف اس قدر عرض کرنا ہے کہ معاصر علماء کو چھوڑ کر اس مرتبہ میثاق میں عہد قدیم کے اساطین و اسلاف پر بھی ہاتھ صاف کیا گیا ہے۔ مثلاً حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی سے شیخ الہند کو بایں معنی مماثلت دی گئی ہے کہ حضرت شاہ صاحب نے تو کتب ہائے جلیلہ و صحائف نادرہ یادگار چھوڑی ہیں اور ہمارے شیخ الہند نے زندہ افراد، اور متحرک اجسام یادگار چھوڑے ہیں، جو علوم و فنون کے جبال ہیں۔ جیسے انور شاہ کاشمیری، شبیر احمد عثمانی، مولانا حسین احمد، مفتی کفایت اللہ وغیرہ وغیرہ۔ بھلا بتائیے ان جبالِ علوم کو کیا نسبت ہے حضرت شاہ ولی اللہ کے علمی کارناموں سے! اور ان جبالِ علوم نے کونسی نادر تصنیفات و تالیفات یادگار چھوڑی ہیں اور کس علم و کس فن میں اپنی یکتائی کا ثبوت دیا ہے۔ وہی عام کتابیں ہیں جو عام علماء لکھتے ہی رہتے ہیں اور مکھی پر مکھی بٹھاتے رہتے ہیں نقل اقوال کے سوا ان کو کچھ آتا ہی نہیں ہے، کسی بھی مسئلے میں اجتہاد و ندرتِ فکر کا ثبوت دیا ہی نہیں، اور اگر دیا بھی ہے تو ایسے مسائل میں جن کی وجہ سے امت میں اختلاف و انتشار پھیلا ہے، برخلاف اس کے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے تلامذہ ایسے جلیل القدر افراد ہیں جنہوں نے علوم و فنون کی دنیا میں اپنے اجتہاد فکر اور ندرتِ افکار سے چمن کے چمن کھلائے ہیں۔ مثلاً صرف علامہ فضل حق خیرآبادی اور مفتی صدرالدین آزردہ ہی کو لے لیں۔ اول الذکر حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کے شاگرد ہیں اور انہوں نے فلاسفۂ یونان کے

وہ سارے کے سارے دلائل اپنے استدلالاتِ قویہ سے باطل کر دیئے ہیں، جن پر حکمائے یونان کو ناز تھا اور جن کی بنا پر ان کا دعویٰ تھا کہ ہم نے مذہب کی بنیادیں گرادی ہیں ـــــ ہر چند کہ یہ دور علوم کے انحطاط کا دور ہے اور سارے مکاتب فکر کے علماء، علومِ حکمیہ سے بیگانہ ہو کر علوم حدیث و علومِ قرآن کی تحصیل کر رہے ہیں، جس کی بنا پر ہمارے مذہب کی اساسِ فکر سے باخبر نہیں۔ اور علومِ حکمیہ جو صرف آلہ تھے، علوم احادیث و علومِ قرآنیہ کے سمجھنے کے لئے، مقصود بالذات ہرگز نہ تھے، انہیں ترک کر دیا گیا ہے۔ اس لئے وہ جدید علوم سے آراستہ اور فکر و خیال کی بلندیوں سے پیراستہ ملحد و بے دین افراد کی تسکینِ خاطر کا سامان اپنے پاس نہیں رکھتے۔

آپ اس میدان میں اترے ہیں تو اپنی ہمت سے کام لیجئے، آپ میں صلاحیتیں موجود ہیں ـــ علم امارت ہاتھ میں لیجئے اور میدان میں نکل پڑیئے۔ مولانا ابوالکلام نے یہی کیا تھا اور اپنے معاصر علماء میں سے کسی کو بھی خاطر میں نہیں لائے تھے۔ اسی طرح مولانا ابوالاعلیٰ نے بھی یہی کیا کہ اپنی تحریک کو اپنے دست و بازو کی قوت سے چلاتے رہے۔ تحریکیں چلتی بھی ہیں اور زمانے کے ساتھ ساتھ ان کی رفتارِ ترقی میں کمی بھی آجاتی ہے۔ مگر یہ وقتی و عارضی ہوتی ہے۔ ابوالکلام اور ابوالاعلیٰ کی تحریکیں باقی رہیں گی اور اس اساس پر کام کرنے والے پیدا ہوتے رہیں گے ہمت کیجئے اور میدان میں آجائیے!

آپ خود انصاف کیجئے کہ آپ نے ایک جملہ مولانا معین الدین کے سلسلے میں لکھ دیا تھا کہ مولانا ابوالکلام کو مسئلہ امارت میں شکست ہوگئی، اس ایک جملے پر سارے کے سارے علماء دیوبند آپ کے پیچھے پڑ گئے اور طرح طرح کی تاویلات کرتے رہے کہ شیخ الہند اس زد سے نکل جائیں اور مذہبی نہ سہی سیاسی امارت ہی ان کے ہاتھ میں دے دی جائے۔ اعترافِ خطا کوئی ایک بھی نہ کر سکا اور مولانا مسندِ امامت سے محروم ہو کر سیدھے ہندوؤں کی آغوش میں چلے گئے اور اپنی مذہبی تحریکات کو بھی بھول گئے جن کا آغاز خود انہوں نے کیا تھا۔

آپ کا مخلص

محمد شہاب الدین کریمی کراچی

مرعوبِ ذہن کے شاخسانے

"میثاق" بابتہ جنوری ۸۵ء کے صفحہ ۱۶ پر "پیش منظر" میں جو آپ نے ہوٹل فلیٹیز کے اجتماع میں سید اسعد گیلانی صاحب کی موجودگی کا بیان کیا ہے وہ وجہ حیرت نہیں۔ موصوف جماعتِ اسلامی کے ترجمانوں کے مقتدرین میں شامل ہیں اور ایران کے متعلق ان کے افکار اور نظریات ان کے "سفرنامۂ ایران" کے ہر لفظ، خصوصاً ۴۸ صفحات کے پیش لفظ سے ٹپکتے ہیں جن میں ایرانی انقلاب کو محمدی انقلاب کا ہو بہو مثنیٰ ثابت کرنے

پر زورِ قلم صرف کیا گیا ہے۔ لاہور سے ہی ایک معتبر صاحب سے جو ماضی قریب تک جماعت ہی کے ایک مؤقر دینی جریدہ کے مدیر رہے ہیں معلوم ہوا کہ یہ سفرنامہ سفارت خانۂ ایران نے خرید لیا ہے تاکہ اس کی اشاعت مختلف زبانوں میں کرا کے دنیا بھر میں پھیلایا جا سکے اور موصوف کا ۲۷ صفحات کا کتابچہ "انقلاب ایران" جس کی قیمت ۶ روپے ہے اس "سفرنامۂ ایران" کے صفحہ ۲۷۲ پر درج ہے وہ بھی اسی مقصد کے لئے خرید لیا گیا ہے۔ لہٰذا اس کی تو کاپی ملتی ہی نہیں ہے میں نے اس کے پبلشر کو لکھا تو جواب آیا کہ ابھی تک شائع ہی نہیں ہوا حالانکہ جب تک کوئی کتاب شائع نہ ہو اشتہار میں اس کی ضخامت اور قیمت کا اظہار ناممکن ہے۔ اگر "انقلاب ایران" کا کوئی نسخہ یا عکسی نقل آپ کسی قیمت پر دلوا سکیں تو ممنون ہوں گا۔

اور سب سے بڑا کارنامہ تو گیلانی صاحب کا "امام خمینی۔ دعوت تحریک اور افکار" ہے جو خمینی صاحب کی "ولایت فقیہہ المعروف بحکومت اسلامیہ" کا (بقول ان کے) آزاد ترجمہ ہے۔ اس کے دیباچہ میں گیلانی صاحب نے خمینوی انقلاب کی جو پرزور قصیدہ خوانی کی ہے اس کی تائید و توثیق محمد نصر اللہ خان خازن مجددی صاحب نے اپنے "حرفِ اوّل" میں فرمائی ہے (ابلہ گفت و دیوانہ باور کرد) گیلانی صاحب تو جو کچھ فرمائیں وہ تو ان کے "مرشد" کے افکار کی توسیع ہے لیکن تعجب تو یہ ہے کہ خازن صاحب جو خود کو "مجددی" کہتے ہیں وہ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے رسالہ ردّ شیعیت کو بھی نظر انداز کر گئے۔ چشتیوں پر تفضیلیت کا الزام بھی ہے لیکن نقشبندی و مجددی حضرات تو رفض کی مخالفت میں بڑے متشدد ہیں اور اس جرم میں ان کے بزرگوں نے مصائب بھی برداشت کئے ہیں، حتیٰ کہ حضرت مجددؒ نے قید بھی جھیلی اور حضرت جانؒ جانان شہید بھی کر دیئے گئے۔ اور ایک یہ "مجددی" ہیں کہ موجودہ خمینوی حکومت کو علیٰ منہاجِ خلافت ثابت کرنے پر علم و فکر و قلم کا سارا زور صرف فرما رہے ہیں "فاعتبروا" مجددی سلسلہ حضرت صدیق اکبرؓ سے ہی جاری ہوا اور یہ "مجددی" انہیں کو گالیاں دینے والوں کی مدح سرائی میں رطب اللسان ہیں۔

اگر آپ خمینی صاحب کی "اصل" "ولایتِ فقیہہ" یا "حکومتِ اسلامی" اور گیلانی صاحب نے جو اس کا آزاد ترجمہ مرقومہ بالا نام سے فرمایا بیک وقت مطالعہ کریں تو حیران رہ جائیں کہ علمی دنیا میں ایسی مترجمانہ بددیانتی بھی ممکن ہے۔ "آزاد ترجمہ" کے معنی یہ نہیں ہوتے کہ مصنف کے نظریات کو چھپانے کے لئے اس کی عبارتوں کے ترجمہ میں تحریف کی جائے یا چھوڑ دی جائیں مگر موصوف نے یہی کرشمہ دکھایا ہے۔ خمینی صاحب نے جہاں جہاں صحابہؓ اور امہات المومنین پر سب و شتم کیا ہے اس کا ترجمہ آپ کو گیلانی صاحب کے قلم سے نہیں ملے گا۔ بلکہ ان حضرات کے ناموں کے ساتھ "رضی اللہ عنہ" پائیں گے جو خمینی صاحب نے نہ لکھا اور نہ لکھ سکتے تھے۔ یہ بات عجیب ہے کہ اپنے افکار و نظریات کے اظہار میں خمینی صاحب تو

تقیہ کرتے نہیں (جو ان کے دین کا ۹۰/ ہے) مگر گیلانی صاحب خواہ مخواہ ان کی پردہ پوشی فرماتے ہیں خمینی صاحب نے "کشف اسرار" اور "توضیح المسائل" وغیرہ، نیز اب تک تمام تقاریر، خطبات اور بیانات میں) جو دنیا بھر میں نشر ہوتی ہیں اور کتابی صورت میں بھی شائع ہوئیں کھلم کھلا اپنے سبائی عقائد کا اظہار کیا ہے، مگر گیلانی صاحب ان کے انہیں عقائد و گفتار و کردار کو خالص اور اصل اسلام ثابت کرنے پر تلے ہوتے ہیں۔ کیا یہ سب مفت کر رہے ہیں! یہ سوچنے کی بات ہے۔ والسلام

نیاز کیش

خسروی، کراچی۔

غیرت و حمیتِ دینی

مکرمی! علامہ اقبال ایک نہایت ہی غیرت مند انسان تھے۔ انگریز "لارڈ ولنگڈن" کے زمانے میں علامہ اقبالؒ کو اپنا گورنر بنا کر جنوبی افریقہ بھیجنا چاہتے تھے۔ من جملہ شرائط کے ایک شرط یہ بھی تھی کہ تمام سرکاری تقریبات میں "بیگم اقبال" ان کے ہمراہ ہوں گی۔ علامہ اقبال نے یہ کہہ کر اس پیشکش کو ٹھکرا دیا کہ بے شک میں ایک گنہگار مسلمان ہوں اور اعمال کے اعتبار سے مجھ سے بہت سی کوتاہیاں سرزد ہوتی ہیں۔ تاہم میں اتنا بے غیرت نہیں ہوں کہ محض ایک سرکاری عہدے کی خاطر اپنی بیوی کو بے پردہ کردوں (از مولانا مودودی، ماہنامہ بتول اپریل ۷۲)

ایک مرتبہ علامہ مرحوم کسی مغربی ملک میں بصورت وفد گئے۔ تمام ارکانِ وفد اپنی بیویوں سمیت جا رہے تھے علامہ اقبال نے اس سے انکار کیا اور کہا کہ ان کی بیگم پردے کی پابند ہیں اور ایسے وفدوں میں پردے کا ذکر تک نہیں آتا۔ (حکیم محمد حسین صاحب عرشی امرتسری)

ایک مرتبہ سر محمد شفیع کے ہاں علامہ صاحب "مع فیملی" مدعو تھے۔ لیکن علامہ صاحب تنہا گئے۔ سر شفیع نے پوچھا بیگم صاحبہ کو کیوں نہیں لائے؟ آپ نے جواب دیا کہ وہ پردے کی پابند ہیں۔ سر شفیع نے کہا — یہاں زنانے میں قیام فرما سکتی ہیں۔ علامہ صاحب نے جواب دیا۔ بے پردہ گھروں کے "زنانے" بھی ایسے ہوتے ہیں (پیرزادہ بہاء الحق قاسمی امرتسری۔ کتاب پردۂ نسواں صفحہ ۱۲۵)

سر راس مسعود علامہ اقبالؒ کے بہت ہی گہرے دوست تھے۔ ان کی نئی نئی شادی ہوئی تھی جب سر راس مسعود کے افغانستان کے دورہ پر جانے کا وقت آیا تو بیگم مسعود نے اصرار کیا کہ انہیں بھی افغانستان وفد کے ہمراہ لے جایا جائے۔ سر راس مسعود نے علامہ صاحب سے مشورہ کیا تو آپ نے تحریراً جواب دیا

کہ حکومت افغانستان اپنے تہذیبی و تعلیمی نظام کی تربیت کے لئے ہندوستان کے علماء کا جو وفد بلا رہی ہے اس کے ہمراہ ایک بے پردہ خاتون کے جانے کا افغانستان کے حکمرانوں پر جو اثر مرتب ہوگا وہ کسی تشریح کا محتاج نہیں ہے۔ اس جواب کے بعد سر راس مسعود اپنی بیگم صاحبہ کو سفر میں ہمراہ نہیں لے گئے۔ (روزگارِ فقیر حصہ اوّل صے ۱۶-۱۶۶، سید مظہر علی ادیب، صحافی کالونی اقبال ٹاؤن لاہور)

O

خاتونِ خانہ کا کردار !!

مکرمی ! ۱۱ر دسمبر کو باغ جناح میں خواتین کے ایک کنونشن میں تقریر کرتے ہوئے صدر ضیاء نے کہا ہے "خاتون خانہ جب تک اپنے صحیح فرائض سرانجام نہیں دے، معاشرہ ترقی نہیں کر سکتا" (امروز ۱۲ر دسمبر)

کہنے کو تو یہ ایک چھوٹا سا جملہ ہے، تاہم صدر صاحب نے اس ایک جملے میں معاشرتِ انسانی کی ایک عظیم حقیقت کو سمو دیا ہے۔ جدید دور میں "خاتون خانہ" کو سوسائٹی کا ایک فعّال رکن تصوّر نہیں کیا جاتا، بلکہ اسے ایک عضو معطّل سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ "خاتون خانہ" ہی قوم کی اصل معمار ہے۔ آئندہ نسلوں کی کردار ساز ہے۔ کل کے رہنماؤں کی ماں ہے۔ دنیا کے اچھے یا بُرے مستقبل کی ذمہ دار ہے۔ دنیا کے عظیم انسانوں نے بڑے واشگاف لفظوں میں اپنی تمام تر عظمت کو اپنی ماؤں کی طرف سے دی گئی تربیت سے منسوب کیا ہے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں (اپنی والدہ سے مخاطب ہوتے ہوئے)

تربیت سے تیری میں انجم کا ہم قسمت ہوا — گھر میرے اجداد کا سرمایۂ عزّت ہوا

انگریزی زبان کا ایک مشہور مقولہ ہے (ترجمہ) وہ ہاتھ جو بچّے کو پالنے کو ہلاتا ہے، دراصل وہی ہاتھ دنیا پر حکومت کرتا ہے۔ نپولین نے ایک بار کہا تھا۔ تم مجھے ایک اچھی ماں دے دو اور میں تمہیں ایک اچھی قوم دے دوں گا۔ ظاہر ہے ایک "اچھی ماں صرف ایک خانہ دار ماں ہی ہو سکتی ہے۔ گھر سے باہر جا کر دفتر میں ملازمت کرنے والی یا بیرون خانہ مصروفیات میں اپنا زیادہ وقت گزارنے والی عورت ایک اچھی ماں نہیں بن سکتی۔ سید مظہر علی ادیب لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سانیو
SANYO

AIRCONDITIONERS REFRIGERATORS & FREEZERS

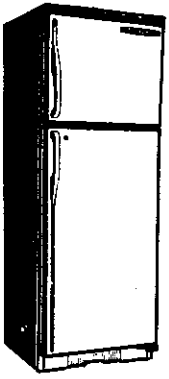

NO-FROST REFRIGERATORS

with exclusive features

- Two door with built-in lock.
- Spacious freezer compartment with drainage system, a new feature.
- Indicator pilot light on front door.
- In 4 pleasing colours (Green, Gold, Almond and White).
- One Year free service and 5 Years Guarantee on Compressor.

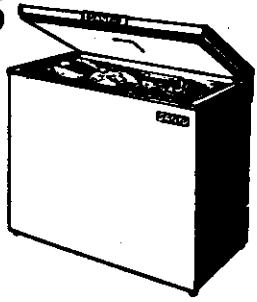

CHEST/UPRIGHT FREEZERS

AIR-CONDITIONERS

new in utility with higher efficiency

Capacity: 1½ Ton, 18000 BTU/h
Noiseless Operation.
Trouble Free Service. Auto Deflector (Swing System).
Brown Teak Wood finish Grill.

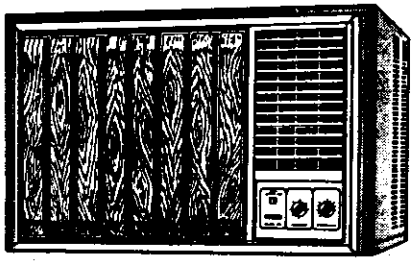

Available at all SANYO Authorised Dealers

MANUFACTURED/ASSEMBLED IN PAKISTAN

SPECIAL ATTENTION: Please ensure that you get your Worldwide Trading Company's 5 year Guarantee Certificate in order to avail free after Sales Service.

SOLE AGENTS IN PAKISTAN FOR ALL SANYO PRODUCTS

WORLDWIDE TRADING CO.

(SANYO CENTRE)
GARDEN ROAD, SADDAR, KARACHI. PHONES: (PABX) 525151-55 (5 Lines)
CABLE: "WORLDBEST" TELEX: 25109 WWTCO PK

786/WW-109/83

الھدیٰ

کیسٹ سیریز

ڈاکٹر اسرار احمد (امیر تنظیم اسلامی)

کے مطالعہ قرآن حکیم کے منتخب نصاب پر مشتمل

درسِ قرآن

کے ۴۴ کیسٹس سی 60 T-D-K جاپانی
کیسٹ پر ریکارڈ کروائے گئے ہیں جس کی قیمت
-/۱۳۲۰ روپے ہے۔ لاہور سے باہر رہائش
پذیر خواہش مند حضرات -/۱۳۴۰ روپے بذریعہ بنک
ڈرافٹ / منی آرڈر نشر القرآن کے نام درج ذیل
پتہ پر بھجوا کر یہ کیسٹس حاصل کر سکتے ہیں۔

نشر القرآن | **تنظیم اسلامی**

سب آفس : ۱۱ داؤد منزل
نزد آرام باغ، شاہراہ لیاقت کراچی ۱

۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ۱۴
فون : ۸۵۲۶۱۱

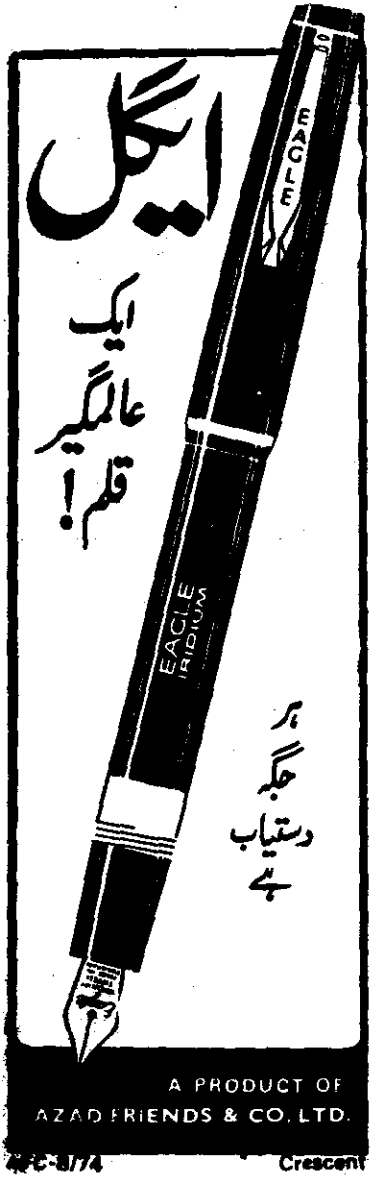

سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفیٰ سے مجھے
کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں

ماہ رجب المرجب وہ مہینہ ہے
جس میں

وُہ محیّر العقول واقعہ ظہور پذیر ہوا تھا جسے ہم

معراج النبی

علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

کے نام سے جانتے ہیں۔ اس موضوع پر

ڈاکٹر اسرار احمد

کا ایک اہم خطاب کتابی شکل میں موجود ہے
جسمیں موصوف نے اس محیّر العقل
واقعہ کو قرآن مجید اور احادیث نیز عقلی
استدلال سے واضح و مبرہن کیا ہے۔
انجمن اور تنظیم اسلامی
کے مکتبوں سے دستیاب ہے

Siddiq Sons Industries Ltd.

Largest Manufacturers & Exporters of :

WATERPROOF COTTON CANVAS, TARPAULINS, TENTS, WEBBING AND OTHER CANVAS PRODUCTS,

HEAD OFFICE :

5-C, 5th FLOOR, SIDCO EVENUE CENTRE
264-R. A. LINES, KARACHI (PAKISTAN)

2 - K GULBERG II, SHAHRAH-E-IQBAL, LAHORE.
TELEPHONE : 870512 880731

Regd. L. No. 7360

MONTHLY **MEESAQ** LAHORE

Vol. 34	APRIL 1985	No. 4

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

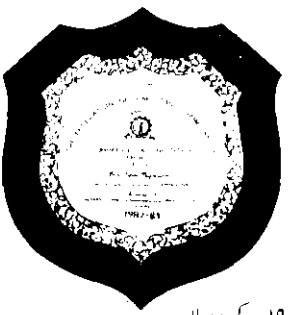

الحمد للہ
ایک اور اعزاز

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے گزشتہ سالوں کی طرح ۱۹۸۲-۸۳ء کے دوران
بھی ہماری بہترین برآمدی کارکردگی اور وطن عزیز کے لیے کثیر زرمبادلہ کماتے پر فیڈریشن آف
پاکستان چیمبرز آف کامرس اینڈ انڈسٹری کی جانب سے ہم ایک بار پھر

بہترین برآمدی کارکردگی کی ٹرافی

کے مستحق قرار پائے

یہ ٹرافی جناب جنرل محمد ضیاء الحق صاحب صدر پاکستان نے ایک پُروقار تقریب میں اپنے دستِ مبارک سے ہمیں عطا فرمائی۔

ہمیں خیمے، ترپالیں اور کینوس کی دیگر مصنوعات کے
سب سے بڑے برآمدکنندگان ہونے کا بجا طور پر شرف حاصل ہے۔

SNDS

حاجی شیخ نورالدین اینڈ سنز لمیٹڈ

پاکستان میں کینوس مصنوعات کے سب سے بڑے برآمد کنندگان

ہیڈ آفس: حفیظ چیمبرز، ۸۵، شاہراہ قائداعظم، لاہور (پاکستان)

فون: ۳۰۶۴۶۸ - ۳۰۵۴۶۹، تار: شاہی خیمہ، ٹیلکس: 44543 NOOR PK

برانچ آفس: ۶۱۹-۶۱۴ کامرس سینٹر، چھٹی منزل، حسرت موہانی روڈ، کراچی (پاکستان)

فون: ۲۱۴۳۱۸ - ۲۱۳۵۴۰، تار: TARPAULIN، ٹیلکس: 25480 NOOR PK